ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

۲۳/اپریل ۹۶ء

☆ حکومت الہیہ کا قیام تمام انسانوں کا مشترک مسئلہ ہے

☆ فلسطینیوں کو دہشت گردی پر مجبور کر دیا گیا ہے

☆ دہلی کی ۹۰ سے اوپر مسجدوں میں آج تک تالا پڑا ہوا ہے

حدیث امروز

انجام کیا ہو گا

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

شومئی قسمت کہئے یا شامت اعمال' سکون ہم سے روٹھ چکا ہے۔ ہوس اقتدار اور جذبہ انتقام نے ہماری اجتماعی سوچ پر ایسے پنجے گاڑ دیئے ہیں کہ کوئی بات اور کوئی کام سیدھا ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ قومی زندگی کا ہر پہلو اضطرابی کیفیت میں ہے۔ کوئی لیڈر بگاڑ دینے کی دھمکی دے رہا ہے' تو کوئی بگڑ جانے کی پیشین گوئی کر رہا ہے اور کوئی نہ بگڑنے دینے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ بے چینی اور بد نظمی کی اس فضا میں زندگی سے متعلق پورا نظام خود سری کا شکار ہے۔ جس کا جو جی چاہتا ہے کرتا ہے۔ انسانی جان بے قدر ہو چکی۔ پچاس روپے کی قرض خواہی پر جھگڑے کے نتیجے میں قتل کر دینا' خواتین کو چھیڑنے سے منع کرنے پر مار دینا' موٹر کار کی پارکنگ کے ضمن میں الجھ پڑنے پر گولی چلا دینے میں ذرا بھر تامل نہ کرنا' کھلا بینک لوٹ لینا' گاہکوں کی موجودگی میں زیورات کی دکان پہ ڈاکے کی عام واردات' بھری سڑک پر چلتی گاڑی روک کر لوٹ لینا' دین اسلام کے نام پر فریق مخالف کو قتل کرنا' طلباء کے امتحانات کے دنوں پرچوں کا امتحان سے قبل بک جانا اور امتحان کے دوران ہر مرکز میں نقل کا نڈر نظام' ہر سرکاری ادارے کے ہر دفتر میں رشوت کے بغیر کسی جائز کام کا نہ ہو سکنا' جعلی کام جعلی بات اور جعلی ساخت میں بے مثل مہارت' ہر سطح پر مقتدر شخصیات کا قومی ملکیت کو ذاتی ملکیت تصور کرنا اور اس کا بے حساب استعمال' ملک بھر میں عدل و انصاف کے نظام پر کسی بھی شہری کا اعتماد نہ ہونا' اور طاقت کے حامل اداروں سے خود حکومت کا خائف ہونا۔ یہ ہے ہماری قومی صورتحال کا مختصر خاکہ۔ ممکن ہے بعض ارباب علم و دانش اس کتھا کو یہ کہہ کر رد کر دیں کہ یہ مایوس ذہن کی اختراع ہے۔ جی نہیں' یہ مایوس ذہن کی اختراع نہیں' البتہ مایوس کن حالات کا دیانتدارانہ تذکرہ ضرور ہے۔ سیاق و سباق کے بغیر "مایوسی کفر ہے" کی نصیحت نے ہمیں گفتار کا غازی بنا دیا ہے' کردار کا نہیں۔ دنیا اور آخرت میں بہتری کا انحصار ذہنی کیفیت ہی پر نہیں بلکہ نیک اعمال پر ہے جس کے فقدان نے ہمیں موجودہ صورتحال سے دوچار کر دیا ہے۔ گروہ بندی کے جذبے' خوشامد کی عادت' شخصیت پرستی کی خصلت اور محاذ آرائی کے شغل نے حالات کو کٹھن بنا دیا ہے۔ ایک مصیبت ختم نہیں ہوتی کہ دوسری آ لیتی ہے۔ سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلے کے ضمن میں مختلف بیانات و تجزیات کی لتاڑ کے بعد حکومت اور اپوزیشن کے مابین گفت و شنید کے آثار نظر آنے لگے تھے کہ لاہور میں ہنگامہ آرائی کے دوران مسلم لیگ کے معروف سیاسی کارکن جاوید اشرف کے قتل کا سانحہ رونما ہوا جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ قائد حزب اختلاف نے وزیر اعظم کے مذاکرات کی پیشکش کے حامل خط کا جواب دینا موخر کر دیا بلکہ وزیر اعظم سمیت مختلف شخصیات کے خلاف جاوید اشرف کے قتل کا پرچہ درج کروانے کی کوشش کی گئی۔ اس قتل کے ضمن میں بعض اہم سیاسی لیڈران کے اس قسم کے بیانات اخبارات میں شائع ہوئے "جاوید اشرف کے خون کا بدلہ چکانا ہو گا' صدر حکومت ختم کر دیں' بے نظیر کا حشر برا ہو گا' ایس ایس پی کو چند روز قبل کہا گیا یہ تمہارا ٹیسٹ کیس ہے اس نے پورا کر دکھایا"۔ تیسرے روز رسم قل کے موقع پر مسلم مسجد کا علاقہ گھنٹوں میدان کارزار بنا رہا۔ آنسو گیس کے سینکڑوں شیل استعمال کرنے کی نوبت آئی۔ جاوید اشرف کے قتل پر مچا کہرام ابھی ختم نہ ہو پایا تھا کہ لاہور ڈرائی پورٹ پر اچانک ہولناک آگ بھڑک اٹھی۔ اربوں روپے کا سامان جل گیا۔ اس واقعہ پر بھی حسب معمول مختلف بیانات داغے گئے مگر کتنوں نے سوچا کہ آخر نقصان کس کا ہوا؟ حکومت کا' ریلوے کا' کسٹمز کا' تاجروں کا؟ نہیں' پوری قوم کا' ہم میں سے ہر ایک کا۔ جنہوں نے آگ لگائی یا جن کی غفلت کی وجہ سے آگ لگی ان کا بھی نقصان ہوا۔ حکومت کی کرکری یقیناً ہوئی مگر کل کلاں آج کی اپوزیشن کو شاید ایوان اقتدار میں پہنچ کر اسی نقصان کا بوجھ برداشت کرنا پڑے۔ محاذ آرائی کے جنون میں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ ہاتھ سے لگائی گرہ بالآخر دانت سے کھولنا پڑتی ہے۔ ناک پر مکھی کے بیٹھنے سے تنگ آ کر ناک ہی کو کاٹ دینا تو کوئی ہوشمندی نہیں۔ ابھی شاید وقت ہے' فریقین ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ موجودہ صورتحال کا انجام کیا ہو گا۔OO

قیمت : ۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

القیامۃ

ہرگز نہیں' جب جان ہنسلی تک پہنچ جائے گی○ اور کہا جائے گا' ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا○ اور آدمی جان لے گا کہ وقت جدائی آن پہنچا○ اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے گی○ اس دن تیرے رب کی طرف کھینچ لے جایا جائے گا○

(یہ منکرین اس قیامت کبریٰ کا خواہ لاکھ انکار کریں' قیامت صغریٰ یعنی موت کا ہرگز انکار نہیں کر سکتے جس کی تلوار ہر دم ان کے سروں پر معلق ہے۔ ع "دنیا سے قیامت دور سہی' دنیا کی قیامت دور نہیں"۔ ہر انسان خواہ وہ مومن ہو یا کافر اور مشرک ہو یا ملحد' موت کو اس زندگی کی سب سے عظیم حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ اور وہ وقت معین جب آئے گا تو یہ منکرین حق اور متکبرین سب اپنی چوکڑی بھول جائیں گے' جب تمام اطباء اور معالجین کی طرف سے جواب مل جائے گا تو بڑے سے بڑا عقل گزیدہ بھی اس اجل کو ٹالنے کے لئے جھاڑ پھونک کرنے والے کو ڈھونڈتا پھرے گا کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت غنیمت محسوس ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ معین گھڑی آ پہنچے گی تو اسے ٹالنے والا کوئی نہ ہو گا اور انسان جان لے گا کہ مال و اسباب اور رشتہ و پیوند سب سے انقطاع کا وقت آ پہنچا ہے' عالم نزع میں شدت تکلیف سے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جائے گی۔ ایک عالم سے دوسرے عالم میں انتقال کا عمل شروع ہو جائے گا' حجابات اٹھنے لگیں گے اور وہ مخفی حقائق جن کا اس دنیا میں انسان انکار کرتا رہا' مجسم صورت میں انسان کے سامنے ہوں گے' اس دن خواہی نخواہی اسے رب کائنات کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔)

مگر اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی○ بلکہ جھٹلایا اور منہ پھیر لیا○ پھر چل دیا اپنے گھر والوں کی جانب اکڑتا ہوا○ افسوس ہے تیری خرابی پر' پھر افسوس ہے تجھ پر○ پھر افسوس ہے تیری نادانی پر اور پھر افسوس ہے تجھ پر○

(کہ انتہائی قابل افسوس ہے متکبر شخص کی حالت کہ جس نے ان آیات بینات کو سنا لیکن کفر و انکار پر مصر رہا' حالانکہ صحیح طرز عمل یہ تھا کہ وہ ایمان لاتا اور اپنے رب کے حضور جھک جاتا' لیکن اس کی محرومی کہ اس نے محض تکبر و استکبار کی بنا پر اللہ کی آیات اور اس کے رسولؐ کو جھٹلایا۔ یہ وہ شخص ہے جو آنکھوں دیکھے اپنے آپ کو ہلاکت سے دوچار کر رہا ہے' اس سے بڑھ کر شقی اور بدبخت اور کون ہو سکتا ہے!

(سورۃ القیامہ' آیات ۲۶ تا ۳۵)

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

جوامع الکلم

جس کو موت آ گئی اس کی قیامت تو واقع ہو گئی

(کہ موت کے آثار شروع ہوتے ہی مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے اور در توبہ بند ہو جاتا ہے' اب اگر احساس ندامت پیدا ہوا اور تلافی مافات کا خیال ابھرا بھی تو بے سود! موت کو سامنے دیکھ کر تو فرعون کی فرعونیت بھی ہوا ہو گئی تھی اور وہ بھی تائب ہو گیا تھا لیکن اس وقت کا پچھتاوا کس کام کا! لہٰذا جسے موت آ گئی اس کے لئے یہ بات صد فیصد درست ہے کہ ع "کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور!"۔ (الحدیث)

ایڈیٹر کے ڈیسک سے!

بین الاقوامی سطح پر پاکستان کا اہم ترین مسئلہ' مسئلہ کشمیر ہے اور اس کے ساتھ ہی متصل ہے پاک بھارت تعلقات کا معاملہ جسے پاکستان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل میں مرکز و محور کی حیثیت حاصل ہے۔ ہمارے تمام بین الاقوامی تعلقات کا تانا بانا اسی مسئلے کے گرد بنا جاتا ہے۔ اب تک ہماری خارجہ پالیسی بہ ظاہر بھارت دشمنی پر مبنی رہی ہے' بھارت کو ہم صحیح یا غلط طور پر اپنا ازلی اور ابدی دشمن گردانتے رہے ہیں۔ چنانچہ دنیا کے دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات کے ضمن میں اب تک قریباً یہی صورت رہی کہ جو ملک بھارت کا دشمن ہے اسے ہم نے اپنا دوست سمجھا اور بھارت کے دوست ممالک ہمارے دشمن ٹھہرے۔ دنیا کی دو بڑی طاقتوں' امریکہ اور روس کے درمیان جب تک سرد جنگ جاری رہی' ہماری یہ پالیسی بھی اطمینان بخش طور پر چلتی رہی لیکن ۱۹۸۸ء میں روس کے حصے بخرے ہو جانے اور سرد جنگ کے خاتمے کے بعد ہماری یہ پالیسی اپنی افادیت کھو بیٹھی۔ تاہم بھارت کے ساتھ دشمنی ہمارے عوام کی نفسیات کا حصہ بن چکی ہے جس کی وجہ سے ہمارے سیاستدان نہ چاہتے ہوئے بھی بھارت دشمنی کی اس فضا کو برقرار رکھنے پر مجبور ہیں۔

آج سے سات سال قبل مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے پہلی بار اس طلسم کو توڑا اور بھارت کے ساتھ مثبت تعلقات قائم کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ہندوستان میں مسلمانوں کے دور حکومت کا ذکر کرتے ہوئے اس پر تاسف کا اظہار کیا کہ ہم نے اسلام کا عادلانہ نظام قائم کر کے یہاں کے ہندوؤں کو اسلام کی برکات سے روشناس کرایا ہوتا تو آج ہندوستان کی تاریخ مختلف ہوتی۔ انہوں نے زور دے کر یہ بات کہی تھی کہ ہندو کے مقابلے میں ہمارے پاس فکری و نظریاتی میدان میں ایک نہایت موثر اور مضبوط ہتھیار یعنی قرآن حکیم موجود ہے جسے ہم نے اب تک چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ شمشیر قرآنی کو ہاتھ میں لے کر نظریاتی سطح پر جہاد کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ مسلمانان پاکستان کے ذمے یہ قرض ہے کہ اس خطے میں اسلام کے عدل اجتماعی کے قیام کے ذریعے نوع انسانی کے سامنے اسلام کا ایک بھرپور عملی نمونہ پیش کریں۔ ہندو کا مقابلہ کرنے اور اس خطے کو امن اور سکون کو گہوارہ بنانے کا واحد یہی طریقہ ہے۔ بصورت دیگر پاک بھارت کشیدگی دونوں ممالک کے لئے شدید نقصان کا باعث اور ملکی ترقی کی راہ کی بہت بڑی رکاوٹ بنی رہے گی اور یقینی طور پر زیادہ نقصان پاکستان ہی کے حصے میں آئے گا جو فوجی قوت کے اعتبار سے اب بھارت سے بہت پیچھے ہے۔

اگرچہ اس جانب تاحال کوئی حقیقی پیش رفت نہیں ہو سکی لیکن پاک بھارت تعلقات کو معمول پر لانے کی ضرورت بہرحال اپنی جگہ برقرار ہے۔ چنانچہ جس قدر بھی ممکن ہو دونوں ممالک کے درمیان مفاہمت کی راہیں تلاش کی جانی چاہئیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ بھارت کے موجودہ حالات سے قارئین "ندائے خلافت" کو روشناس کراتے رہیں۔ زیر نظر شمارے میں ہم بھارت سے تعلق رکھنے والے مشہور عالم دین مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی ایک نہایت اہم تقریر سے طویل اقتباسات شامل کئے ہیں جن سے نہ صرف ہندو تہذیب و تمدن کو سمجھنے میں مدد ملے گی بلکہ یہ بات بھی وضاحت سے سامنے آئے گی کہ ہم اپنے کردار کی وجہ سے غیر مسلموں کو اسلام سے دور رکھ کر کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ☆

داخلی طور پر کراچی کی صورتحال ایک طویل عرصے سے ملک و ملت کا درد رکھنے والوں کے لئے تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے۔ اگرچہ فی الوقت کراچی میں دہشت گردی اور پولیس مقابلوں میں کمی واقع ہو چکی ہے لیکن جب تک ملک میں استحصالی اور غاصب قوتیں موجود ہیں دیرپا امن کی توقع کرنا عبث ہے۔ کراچی کے حالات آئندہ کیا رخ اختیار کرتے ہیں اس میں جہاں حکمران پارٹی کا آئندہ کردار بہت اہمیت کا حامل ہو گا وہاں یہ معاملہ بہت حد تک ایم کیو ایم کے مستقبل کے رویئے پر منحصر ہے۔ ہم نے اب تک ایم کیو ایم کے بارے میں مثبت اور منفی دونوں قسم کی آراء کو ندائے خلافت کے صفحات پر جگہ دی ہے' جس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ دونوں طرف کا موقف قارئین کے سامنے آسکے اور وہ حقیقت پسندی سے کام لے کر حالات کو بہتر بنانے میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ اس ضمن میں اس بار خلاف معمول ایک گمنام قاری کا خط شائع کیا جا رہا ہے جو ہمارے نزدیک ایم کیو ایم سے باہر کے لوگوں کے خیالات کی بہت حد تک ترجمانی کرتا ہے۔

ایک ضروری تصحیح

☆ شمارہ (۱۵) کے صفحہ ۸ کی سرخی "ملی پارلیمنٹ کے اجلاس منعقدہ ۱۴' ۱۵ جنوری ۱۹۹۴ء" ..... ۱۹۹۴ء کی بجائے ۱۹۹۶ء پڑھا جائے۔

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم

جلد ۵ شمارہ ۱۷

۲۳/ اپریل ۱۹۹۶ء

9

مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تحریک خلافت پاکستان
۴ - اے' مزنگ روڈ' لاہور

مقام اشاعت
۳۶ - کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون : ۳-۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر : محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ : ۸ روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان
☆ ترکی' اومان' مصر ۱۳/ امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' یورپ' جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

"حکومت الٰہیہ" کا قیام تمام انسانوں کا مشترک مسئلہ ہے

جس نے پیدا کیا ہے اسی کا حق ہے کہ حکم دے اور حکومت کرے

نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد خلافت امت مسلمہ کو اجتماعی طور پر منتقل ہو کر "امر المسلمین" قرار پائی!

نومبر ۱۹۹۴ء میں روزنامہ "جنگ" میں "خلافت الٰہی سے خلافت مسلمین تک" کے زیر عنوان شائع ہونے والی ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک فکر انگیز تحریر

اصولی اعتبار سے ہر وہ شخص جو کسی ایسی ہستی کا قائل ہے جس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے' خواہ وہ اسے کوئی بھی نام دیتا ہو' منطقی طور پر لامحالہ خلافت کا بھی قائل ہے۔ اس لئے کہ عقل انسانی اس لازمی منطقی نتیجے سے کسی بھی صورت اعراض یا انکار نہیں کر سکتی کہ جس نے پیدا کیا ہے اسی کا حق ہے کہ حکم دے اور حکومت کرے! چنانچہ اس سادہ لیکن اٹل اور قطعی حقیقت کو قرآن حکیم میں سورۂ اعراف کی آیت ۵۴ میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا کہ: "آگاہ ہو جاؤ! اسی کی ہے کل تخلیق بھی اور اسی کے ہاتھ میں ہے کل امر بھی!" گویا ہر وہ شخص جو اس کائنات کے لئے ایک خالق کو تسلیم کرتا ہے لازماً یہ تسلیم کرنے پر بھی مجبور ہے کہ حاکمیت کا حق صرف اسی کو حاصل ہے۔ اس کی ایک نمایاں مثال عیسائیوں کی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اس وقت دنیا کی کل آبادی میں سب سے زیادہ تعداد ان ہی کی ہے (کل آبادی کا لگ بھگ ایک تہائی!) اور ان کے یہاں جس "LORDS PRAYER" کو تقریباً وہی مقام حاصل ہے جو ہم مسلمانوں میں سورۂ فاتحہ کو حاصل ہے اس کے حسب ذیل الفاظ اسی حاکمیت خداوندی کے اقرار اور زمین پر خدا کی حکومت کے قیام کی دعا پر مشتمل ہیں:

"THY KINGDOME COME!
THY WILL BE DONE ON EARTH,
AS IT IS IN HEAVENS!"

یعنی: "اے خدا! تیری حکومت اور سلطنت قائم ہو۔ اور تیرا حکم اور تیری مرضی جیسے آسمانوں میں نافذ ہے زمین پر بھی نافذ ہو!"

حاصل کلام یہ کہ "حکومت الٰہیہ" کا قیام صرف مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ان تمام انسانوں کا مشترک مسئلہ ہے جو کسی "خالق" کے قائل ہیں۔ بالخصوص تینوں ابراہیمی مذاہب کے پیروکاروں یعنی یہودیوں' عیسائیوں اور مسلمانوں کے لئے تو اس سے کوئی فرار اور رستگاری ممکن ہی نہیں جو اللہ کے کل کائنات کے خالق اور پروردگار ہونے ہی کے قائل نہیں اس کے بھی قائل ہیں کہ اس نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے نبوت اور رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا اور اوامر و نواہی کی صورت میں احکام شریعت نازل فرمائے جن کی تعمیل و تنفیذ لازمی و لابدی ہے!

دوسری بات یہ کہ وہ اہم تاریخی حقیقت جسے علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے کہ ؎

"ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی!"

یعنی یہ کہ اگرچہ یوں تو کار زار عالم میں قوموں اور تہذیبوں کے عروج و زوال کے بہت سے مختلف النوع مناظر اور مظاہر بھی دیکھنے میں آتے رہے اور ان کے پس پردہ بہت سے ثانوی عوامل بھی کار فرما رہے لیکن تاریخ انسانی کے دوران اصل تصادم ہدایت خداوندی اور اغوائے شیطانی ہی کے مابین رہا ہے' اسے یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ تخلیق آدم سے لے کر آج تک دنیا میں اصل کشاکش و آویزش انسانی حاکمیت اور خلافت کے مابین ہی جاری رہی ہے' یعنی جبکہ جملہ شیطانی قوتیں اور ان کے پیروکار انسانی حاکمیت کے مدعی رہے ہیں تمام انبیاء اور ان کے ماننے والے نظام خلافت کے داعی اور علمبردار رہے ہیں۔ اور یہ کشاکش آئندہ بھی جاری رہے گی تا آنکہ نبی اکرم ﷺ کی واضح پیشین گوئیوں کے مطابق بالآخر فیصلہ کن اور عالمی سطح پر نافذ ہونے والی فتح "خلافت" کو حاصل ہوگی۔ اور پورے کرۂ ارضی پر "خلافت علیٰ منہاج النبوت" کا نظام قائم ہو جائے گا!

> **"تخلیق آدم سے لے کر آج تک دنیا میں اصل کشاکش و آویزش انسانی حاکمیت اور خلافت کے مابین ہی جاری رہی ہے' یعنی جبکہ جملہ شیطانی قوتیں اور ان کے پیروکار انسانی حاکمیت کے مدعی رہے ہیں تمام انبیاء اور ان کے ماننے والے نظام خلافت کے داعی اور علمبردار رہے ہیں"**

اور اب آیئے خلافت کی نسبت کی جانب کہ آیا یہ اللہ کی خلافت ہے' یا اللہ کے رسول ﷺ کی' یا مسلمانوں کی؟ تو اگرچہ یہ بات بادی النظر میں عجیب سی محسوس ہوگی کہ یہ تینوں نسبتیں بیک وقت صحیح ہیں' لیکن ایک سادہ سی مثال سے با آسانی سمجھ میں آ جائے گی۔ اور وہ مثال "دین" کی ہے اس لئے کہ اس کی بھی یہ تینوں نسبتیں بیک وقت درست ہیں۔ چنانچہ اسلام "اللہ کا دین" بھی ہے (جیسے کہ سورۂ نصر میں

فرمایا: "اور تم نے دیکھ لیا لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہوئے!" اور "دین محمد ﷺ" بھی (جیسے کہ ہر جمعہ میں خطیب دعا کرتا ہے کہ: "اے اللہ! اپنے ہر اس بندے کی مدد فرما جو محمدؐ کے دین کی خدمت کر رہا ہو!" آمین!!)۔ مزید برآں اسلام میرا' آپ کا' اور ہر مسلمان کا دین بھی ہے۔ (چنانچہ سورۂ کافرون کی آخری آیت میں دین کی یہی نسبت بیان ہوئی ہے کہ: "تمہارے لئے دین ہے' اور میرے لئے میرا دین!)

تاہم "خلافت الٰہی" سے "خلافت مسلمین" تک کے طویل سفر کے بعض دوسرے اہم فلسفیانہ پہلو بھی ہیں جن کے صحیح فہم پر عہد حاضر میں نظام خلافت کے بعض معرکتہ الاراء اور مختلف فیہ مسائل کے ضمن میں صحیح رائے تک رسائی کا دارومدار ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں بعض اہم نکات کی سلسلہ وار وضاحت ضروری ہے:

(۱) حاکمیت کے بالکلیہ اللہ تعالیٰ کے لئے مختص ہو جانے کے بعد جملہ مخلوقات کے لئے واحد راستہ اور لائحہ عمل بے چون و چرا فرمانبرداری' کلی اور کامل اطاعت اور ہمہ وقت وہمہ وجوہ عبادت کا ہے' لہٰذا بڑے سے بڑے ستاروں اور سیاروں سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے ذرات تک' اور جمادات و نباتات سے لے کر حیوانات تک جملہ مخلوقات تو' خواہ انہیں اقبال کے الفاظ میں "تقدیر کے پابند" قرار دے لیا جائے' خواہ جبلت کے اسیر' بہرصورت ان الفاظ مبارکہ کی مصداق کامل ہیں ہی کہ: "اسی کی اطاعت کئے جا رہی ہے ہر چیز خواہ آسمانوں میں ہے خواہ زمین میں' اور خواہ رضامندی سے کر رہی ہے خواہ مجبوراً" (آل عمران: ۸۳) رہ گئیں وہ تین مخلوقات جو خود شعوری کی حامل بھی ہیں اور ذی ارادہ وذی اختیار بھی' یعنی فرشتے' جنات اور انسان تو اول الذکر کی کیفیت تو اپنی تمام تر جلالت شان کے باوجود یہ ہے کہ: "اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتے خواہ کوئی بھی حکم انہیں دیا جائے اور کرتے ہیں وہی کچھ جس کا انہیں امر ہوتا ہے!" (سورۂ تحریم: ۶) بلکہ یہاں تک کہ ان کے سرخیل جبرئیلؑ کا بھی یہ قول قرآن میں نقل ہوا کہ: "(اے نبیؐ) ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر نازل ہو ہی نہیں سکتے۔ اسی کے اختیار مطلق میں ہے نہ صرف وہ سب کچھ جو ہمارے سامنے ہے' اور وہ سب کچھ جو ہمارے پیچھے ہے بلکہ وہ بھی کہ جو ان دونوں کے مابین ہے (یعنی خود ہمارا پورا وجود!)" (سورۂ مریم: ۶۴) اب رہ گئے صرف جنات اور انسان تو ان کے ضمن میں قرآن کی یہ نص قطعی پوری طرح کفایت کرتی ہے کہ: "میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ میری عبادت کریں!" (سورۂ ذاریات: ۵۶)

(۲) متذکرہ بالا جملہ مخلوقات میں سے صرف "حضرت انسان" کو اطاعت اور عبادت کے مقام سے اٹھا کر ایک بلند تر مرتبہ یعنی مرتبہ "خلافت" عطا فرمایا گیا۔ چنانچہ بقیہ جملہ مخلوقات اس کے تابع کر دی گئیں' اور نہ صرف یہ کہ تمام قوائے طبعیہ' جملہ عناصر فطرت اور فی الجملہ کل کائنات اس کے لئے بالقوہ مسخر کر دی گئی' بلکہ "علم الاسماء" کی صورت میں جملہ مخلوقات کا علم بھی اسے بالقوہ عطا فرمایا دیا گیا (چنانچہ انسان کا کل حسیاتی اور تجرباتی علم اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی وہ تمام فتوحات جن کے پیش نظر یہ کہنا ہرگز غلط نہیں ہے کہ:

"عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے"

"اب خلیفہ کا نصب نہ کسی ماموریت من اللہ کی بنیاد پر ہوگا (اس لئے کہ نبیؐ کا فیصلہ تو لامحالہ "من جانب اللہ" قرار پاتا) نہ کسی نسلی یا خاندانی بنیاد پر' بلکہ مسلمانوں کے باہمی مشورے اور انتخاب کے ذریعے ہوگا!"

"فرشتوں کی پوری جماعت کو حضرت آدمؑ کے سامنے سجدہ ریز کر دیا! تو کیا اس کے بعد بھی اس امر میں شک اور شبہ کی گنجائش ہے کہ آدمؑ کو عطا کی جانے والی خلافت "خلافت الٰہی" تھی!"

سب اسی کے ظہور اور بروز کی حیثیت رکھتی ہیں!) اور ع "اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب؟" کے مصداق "عروج آدم خاکی" کی اس سے بڑھ کر کون سی شان ممکن ہو سکتی تھی کہ شہنشاہ ارض و سما نے اپنی کل آفاقی سلطنت اور پورے سلسلہ کون و مکان کے جملہ کارکنان قضاوقدر یعنی فرشتوں کی پوری جماعت کو حضرت آدمؑ کے سامنے سجدہ ریز کر دیا! (جس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کا ذکر قرآن میں سات مرتبہ ہوا ہے!) تو کیا اس کے بعد بھی اس امر میں شک اور شبہ کی گنجائش ہے کہ آدمؑ کو عطا کی جانے والی خلافت "خلافت الٰہی" تھی!

(۳) اس خلافت کے ابوالبشر حضرت آدم کو عطا کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ پوری نوع انسانی کو عطا فرمائی گئی تھی اور بالقوہ (POTENTIALLY) یا پیدائشی طور پر انسان "خلیفۃ اللہ" ہے۔ تاہم سیدھی سی بات ہے کہ نسل آدم کا جو فرد "خلافت" پر قناعت نہ کرتے ہوئے "حاکمیت" کا مدعی بن جائے وہ تو گویا شہنشاہ ارض و سما کا "باغی" ہے' اور بڑی سے بڑی اور سخت سے سخت سزا کا مستوجب! تاہم چونکہ اللہ نے اس دنیا کو دارالجزاء نہیں صرف دارالامتحان بنایا ہے' لہٰذا ایسے باغیوں کو اپنی بغاوت کی اصل سزا تو آخرت میں ملے گی' اس دنیا کی حد تک انہیں صرف "خلافت" سے محروم کر دینے پر اکتفا کی گئی ہے۔ گویا اگرچہ بالقوہ اور فی الاصل خلافت الٰہی پوری نوع انسانی کو عطا ہوئی تھی لیکن بالفعل اور فی الواقع دنیا میں خلافت کا حق صرف اللہ کے فرمانبردار بندوں یعنی "مسلمانوں" کو حاصل ہے!

(۴) یہ خلافت الٰہی اپنی عملی تنفیذ کے اعتبار سے اب سے چودہ سو سال قبل تک' یعنی جب تک نبوت کا سلسلہ جاری تھا "شخصی" رہی یعنی ہر زمانے کا نبی ہی اپنی ذاتی حیثیت میں "خلیفۃ اللہ" ہوتا تھا۔ اس لئے کہ حاکم حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین ذاتی طور پر اسی کو بذریعہ وحی پہنچتے تھے' چنانچہ وہی ان کی تنفیذ کا فریضہ سرانجام دیتا تھا۔ مزید برآں' اس سے کچھ ہی عرصہ قبل تک نوع انسانی کا عمرانی شعور بھی ابھی عہد طفولیت میں تھا اور شخصی قیادت و سیادت سے آگے بڑھ کر امامت و حکومت کے کسی اجتماعی یا عوامی تصور کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کو واحد کے صیغہ میں خطاب کر کے فرمایا گیا کہ: "اے داؤدؑ! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے پس لوگوں کے مابین حق کے مطابق حکم کرو!" (سورۂ ص: ۲۶) اور صحیح بخاریؒ کی ایک حدیث میں بھی آنحضور ﷺ کے یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ: "بنی

اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے' جیسے ہی کسی نبی کا انتقال ہوتا تھا اس کا خلیفہ بھی نبی ہی ہوتا تھا!" (بخاریؒ و مسلمؒ عن ابی ہریرہؓ) یعنی جیسے حضرت داؤدؑ اللہ کے نبی بھی تھے اور عرف عام میں "بادشاہ" لیکن حقیقت کے اعتبار سے "خلیفہ اللہ" بھی' اسی طرح ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ بھی ان دونوں حیثیتوں کے حامل تھے۔ علی ہذا القیاس جب تک نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس دنیا میں تشریف فرما رہے آپؐ اللہ کے نبی اور رسول بھی تھے اور "خلیفہ اللہ" ہونے کی حیثیت میں اسلامی حکومت کے سربراہ بھی۔ چنانچہ سورۂ مائدہ کی آیت ۴۸ میں سورۂ ص کی آیت ۲۶ ہی کے مانند آپؐ سے بھی فرمایا گیا: "پس آپؐ ان کے مابین اللہ کے اتارے ہوئے (احکام) کے مطابق حکم کریں!"

(۵) البتہ نبی اکرم ﷺ کے انتقال پر جیسے ہی

"جملہ مخلوقات میں سے صرف "حضرت انسان" کو اطاعت اور عبادت کے مقام سے اٹھا کر ایک بلند تر مرتبہ یعنی مرتبہ "خلافت" عطا فرمایا گیا"

نبوت کا سلسلہ ختم ہوا "شخصی خلافت" کا دور بھی ہمیشہ کے لئے اختتام کو پہنچ گیا اور اجتماعی خلافت کے دور کا آغاز ہو گیا۔ چنانچہ اب خلافت امت مسلمہ کو اجتماعی طور پر منتقل ہو کر "امرالمسلمین" یعنی "مسلمانوں کا معاملہ" قرار پائی جس کے ضمن میں قرآن کا وہ اٹل اصول جو سورۂ شوریٰ کی آیت ۳۸ میں وارد ہوا ہے نافذ العمل رہے گا' یعنی "امرھم شوری بینھم" (ترجمہ: "مسلمانوں کا معاملہ باہمی مشورے سے طے پاتا ہے!)

چنانچہ یہ اسی کا مظہر ہے کہ قرآن حکیم میں مسلمانوں کو جمع کے صیغہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ: (اے مسلمانو!) تم میں سے جو لوگ ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کر دیں گے ان سے اللہ کا پختہ وعدہ ہے کہ وہ انہیں اسی طرح زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے قبل کے لوگوں کو عطا کی تھی اور ان کے اس دین کو قوت اور غلبہ عطا فرمائے گا جو اس نے ان کے لئے پسند فرما لیا ہے۔ اور ان کی (موجودہ) خوف کی حالت کو امن اور اطمینان کی کیفیت سے بدل دے گا۔" (سورۂ نور: ۵۵)

اسی طرح اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو نبی اکرم ﷺ کا یہ فیصلہ بھی کہ آپؐ کسی کو خلیفہ نامزد کئے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے' اسی لئے تھا کہ خلافت کے ضمن میں یہ حقیقت بالکل مبرہن ہو جائے کہ یہ بالکلیہ "امرالمسلمین" ہے۔ حالانکہ اس وقت کے قبائلی معاشرے میں شدید اندیشہ تھا کہ اس کی بنا پر اختلاف و انتشار' اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک معجزہ سے ہرگز کم نہیں کہ خلافت ایسا حساس اور نازک مسئلہ اختلاف اور نزاع کے پیدا ہونے کے باوجود بہت جلد اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ حل ہو گیا۔ بہرحال اس سے یہ بات ہمیشہ کے لئے ناقابل تردید طور پر طے ہو گئی کہ اب خلیفہ کا نصب نہ کسی ماموریت من اللہ کی بنیاد پر ہو گا (اس لئے کہ نبیؐ کا فیصلہ تو لامحالہ "من جانب اللہ" قرار پاتا) نہ کسی نسلی یا خاندانی بنیاد پر' بلکہ مسلمانوں کے باہمی مشورے اور انتخاب کے ذریعے ہو گا!

(۶) اس معاملے میں صرف اس بات سے کسی مغالطے میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے آپ کو "اللہ کے رسولؐ کا خلیفہ" قرار دیا۔ اور علی ہذا القیاس حضرت عمرؓ نے بھی اپنے لئے "اللہ کے رسولؐ کے خلیفہ کا خلیفہ" کے الفاظ پسند فرمائے۔ اس لئے کہ اس سے صرف اس واقعاتی حقیقت کی جانب اشارہ مقصود تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی دو حیثیتوں میں سے ایک یعنی نبوت کا سلسلہ تو ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا البتہ آپؐ کی دوسری حیثیت جس کا تعلق "خلافت" سے تھا اور جو بالفعل اسلامی حکومت کی سربراہی سے عبارت تھی' اس کا تسلسل جاری ہے اور اس کے اعتبار سے حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے' اور حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے "جانشین" ہیں۔ بالکل ایسے جیسے لگ بھگ سولہ سو سال قبل حضرت داؤدؑ کے فرزند حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے "جانشین" تھے۔ لیکن جیسے یہ بات اس متفق علیہ حدیث کی رو سے بالکل واضح ہے جس کا حوالہ پہلے آچکا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی "خلافت" کی بنیاد "نبوت" تھی نہ کہ صرف حضرت داؤدؑ کی فرزندی' اسی طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی "خلافت" کی بنیاد مسلمانوں کا مشورہ اور اجماع تھا نہ کہ نبوت یا کسی اور نوع کی "ماموریت من اللہ!" اور اس اعتبار سے اگر یہ کہا جائے کہ ان کی اصل حیثیت "خلیفہ المسلمین" کی تھی تو اس میں ہرگز کوئی غلطی نہیں ہو گی!○○

KHALID TRADERS
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE
AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

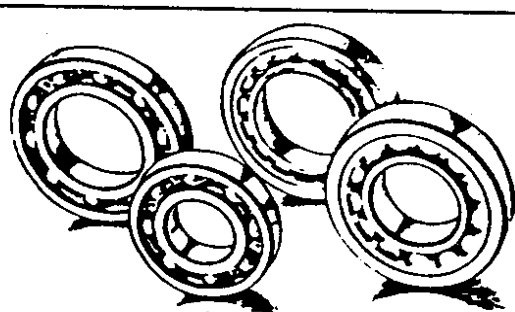

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 84 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210807

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING!

فلسطینیوں کو دہشت گردی پر مجبور کر دیا گیا ہے

حماس کو اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کرنی چاہئے

تحریر: شمس العارفین

سب سے زیادہ افسوسناک مسلم ممالک کے سربراہوں کا رویہ ہے

غیر مسلم اسلام کو انصاف پسند اور امن کی بجائے پر تشدد کارروائیاں کرنے کا لائسنس خیال کرنے لگے ہیں

"اب اسرائیلی زیادہ پرسکون نیند سو سکتے ہیں" اسرائیلی وزیر اعظم شمعون پیریز (Shimon Prees) کا مصر کے صحت افزا مقام شرم الشیخ میں ۱۳ مارچ کو منعقد ہونے والی ایک روزہ امن سربراہ کانفرنس کے خاتمے پر اخباری نمائندوں سے گفتگو کے دوران ادا کردہ یہ جملہ چودہ ممالک کے راہنماؤں کی امن کانفرنس کا "اصل حاصل" ہے۔ اس خیال کو مزید تقویت صدر کلنٹن کی اس تقریر سے ہوئی ہے جو انہوں نے اس نام نہاد امن کانفرنس میں کی۔ اس تقریر میں ایک طرف تو انہوں نے ایران پر شدید تنقید کی اور دوسری طرف یہ کہا کہ "یہ ایک یادگار دن ہے۔ سب کو بتا دیں کہ اسرائیل اکیلا نہیں.... امن کے علمبردار دہشت گردی کے خلاف متحد ہیں"۔ بین الاقوامی امور کے ماہرین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ اس کانفرنس کے ذریعے اسرائیل نے اپنے آپ کو مشرق وسطیٰ کی عرب اقوام کی صف میں شامل کروا لیا ہے اور اپنی حقیقت تسلیم کرانے کا اس پچاس سالہ خواب باآسانی پورا ہو گیا ہے۔ اس کانفرنس میں اگرچہ مصر کے حسنی مبارک اور فلسطین کے یاسر عرفات نے چند دوسرے مسائل کی طرف توجہ دلا کر اسرائیل کی حیثیت کو کم کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس میں ناکام رہے۔ مصر کے صدر حسنی مبارک نے جو صدر کلنٹن کے ساتھ اس امن کانفرنس کے مشترکہ چیئرمین تھے کہا کہ "اس کانفرنس کا مقصد صرف اسرائیل میں ہونے والے خودکشی پر مبنی بم دھماکوں (Suicide bombings) کو روکنا ہی نہیں بلکہ مشرق وسطیٰ میں جاری امن کے عمل کے تسلسل کو برقرار رکھنا بھی ہے"۔ جبکہ یاسر عرفات نے بموں کے دھماکوں کے بعد اسرائیل کی طرف سے غزہ اور مغربی کنارے کو مکمل طور پر بند کر دینے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ "اجتماعی سزا کبھی بھی تحفظ و استحکام فراہم کرنے کا مناسب ذریعہ ثابت نہیں ہوئی۔ یہ محاصرے اور اجتماعی سزائیں ہمیں بے بس کرنے کے لئے ہیں اور ان کے جاری رہنے سے انتہا پسندی کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہ جاتا"۔

> "بین الاقوامی امور کے ماہرین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ اس کانفرنس کے ذریعے اسرائیل نے اپنے آپ کو مشرق وسطیٰ کی عرب اقوام کی صف میں شامل کروا لیا ہے اور اپنی حقیقت تسلیم کرانے کا اس پچاس سالہ خواب باآسانی پورا ہو گیا ہے"

فروری کے اواخر سے اسرائیل میں ہونے والے پے بہ پے بم دھماکوں کے بعد اسرائیل فلسطین امن معاہدے کو درپیش خطرات سے نمٹنے کے لئے منعقد کی جانے والی اس کانفرنس کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں ایران کو تو مدعو ہی نہیں کیا جبکہ شام اور لبنان نے شمولیت سے صاف انکار کر دیا۔ شام کے صدر حافظ الاسد کی رائے یہ ہے کہ "اس کانفرنس میں شرکت کا مطلب اسرائیلی پالیسیوں؛ عرب علاقوں پر اس کے ناجائز قبضے اور مقبوضہ علاقوں میں جاری مزاحمتی تحریک کو کچلنے کے وحشیانہ طریقوں کی حمایت کرنا ہے۔ اس پر اسرائیل نے کانفرنس میں شام پر سخت تنقید کی، تاہم سب سے زیادہ ایران کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا، خصوصاً کلنٹن اور پیریز نے ایران پر شدید تنقید کی۔ حالانکہ خود امریکی اخبارات نے کلنٹن کے اس طرز عمل سے اختلاف کیا ہے۔ اخبارات کی رائے ہے کہ حماس کے ۳۰ ملین ڈالر کے سالانہ بجٹ میں ایرانی مدد کا حصہ بیس فیصد سے زیادہ نہیں ہے جبکہ اس کے خلاف ٹھوس ثبوت بھی موجود نہیں ہیں دوسرے ممالک جیسے سعودی عرب اور شام وغیرہ حماس کی خفیہ طور پر زیادہ مدد کر رہے ہیں حالانکہ سعودی عرب امریکہ کا قریبی حلیف ہے۔ چنانچہ اخبارات کا کہنا ہے کہ کم از کم اس معاملے میں امریکی صدر کا رویہ مغالطہ آمیز اور مبالغہ آرائی پر مبنی ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ کلنٹن اور پیریز اس بے لچک رویہ کے ذریعے آئندہ ہونے والے الیکشنوں میں اپنی اپنی پوزیشن مضبوط بنانا چاہتے ہیں۔

اس سربراہ کانفرنس کے بعد ایک مشترکہ اعلامیہ بھی جاری کیا گیا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(i) ہم اسرائیل فلسطین معاہدے، امن بات چیت، اور سیاسی و معاشی تعاون کو جاری رکھنے کی حمایت کرتے ہیں تاکہ اس مسئلے کا جامع حل تلاش کیا جا سکے۔

(ii) ہم اس خطے میں تحفظ اور استحکام کے موثر عملی اقدامات میں باہم تعاون کا تہیہ کرتے ہیں۔

(iii) علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر انسداد دہشت گردی کی کوششوں میں تعاون بڑھانے اور اپنے اپنے علاقوں کو دہشت گردی سے پاک کرنے کی کوششوں کی حمایت کرتے ہیں۔

(iv) ہم دہشت گرد گروہوں اور جماعتوں کے معاشی ذرائع کی نشاندہی اور ان کے خاتمے کی کوششوں میں مکمل تعاون کرتے ہیں۔

(۷) کانفرنس کے شرکاء پر مشتمل ایک ورکنگ گروپ تشکیل دیا گیا ہے۔ جو ان فیصلوں کے عملی نفاذ کے طریقوں کا جائزہ لے کر تیس دن میں اپنی رپورٹ پیش کرے گا۔

اس کانفرنس پر کئی طرف سے تنقید کی گئی ہے مگر سب سے عمدہ بات اقوام متحدہ میں اردن کے سابق سفیر عدنان ابو اودھے (Adnan Abu Odeh) نے کی ہے کہ "ہم بھی اسرائیل میں ہونے والے بموں کے دھماکوں کی مذمت کرتے ہیں مگر اس کانفرنس میں فلسطینیوں کے حقوق کی بات کیوں نہیں کی گئی؟' صرف اسرائیلی نقطہ نظر ہی کیوں اتنا اہم ہے؟" اس کانفرنس پر یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ بین الاقوامی سطح پر امن قائم کرنے میں اس کانفرنس سے کوئی مدد حاصل نہیں ہوئی البتہ اسرائیل کے تحفظ اور استحکام کے لئے بھرپور کوششیں ہوئیں۔ چنانچہ کانفرنس کے اختتام پر صدر کلنٹن نے اسرائیل کے لئے ۱۰۰ ملین ڈالر کا اعلان بھی کر دیا۔

ہمارے لئے سب سے زیادہ افسوسناک مسلم ممالک کے سربراہوں کا رویہ ہے جو الخلیل کی مسجد میں مسلمانوں کے قتل عام پر تو کوئی امن کانفرنس منعقد نہ کرا سکے ادھر اسرائیل میں ہونے والے بم دھماکوں پر یعنی امریکہ اور اسرائیل کی ہاں میں ہاں ملانے پر اکتفا کیا اور مسلمانوں کے حق میں کوئی آواز بلند نہ کر سکے۔ اس سے بھی کہیں زیادہ ان کا شرمناک رویہ اسرائیلی وزیر اعظم سے ملاقاتوں کا تھا مراکش' اردن' مصر اور بحرین کے سربراہوں نے پیریز سے خصوصی ملاقاتوں کا شرف حاصل کیا۔ یہ ملاقاتیں اتنی طویل ہو گئیں کہ صدر کلنٹن کو پہلے سے طے شدہ پروگرام کے باوجود اسرائیلی وزیر اعظم سے ملنے کے لئے کافی دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ ایک امریکی افسر نے اس پر خوش ہو کر کہا کہ "عربوں نے اسرائیل کو تسلیم کرنے کا عمل تیز تر کر دیا ہے"۔ اسی طرح پیریز نے کہا "اسرائیل کو اس کے ہمسایوں سے دور کرنے والی بہت سی رکاوٹیں دور ہو گئی ہیں۔ اب ایک نیا مشرق وسطیٰ تشکیل پائے گا"۔

اس مسئلے کا دوسرا پہلو حماس کا جنگجویانہ رویہ ہے۔ اگرچہ اسلامی تحریک ہونے کے ناتے مسلمانوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ مسلمانان عالم کے دل ان کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ فلسطینیوں پر بہت ظلم ہوئے ہیں ان کو دہشت گردی پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ یقیناً فلسطین کے مسلمانوں کو ایک آزاد اور خود مختار وطن کی اشد ضرورت ہے جس کا دار الحکومت بیت المقدس ہو۔ لیکن حماس کا رویہ مسلمانوں کے لئے مزید تنگی پیدا کر رہا ہے۔ اس سے دشمنوں کو موقع ملتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے کر ان کے قتل عام کا جواز مہیا کر سکیں۔ اس کے علاوہ عام آدمی کے ذہن میں اسلام کی مسخ شدہ تصویر ابھر رہی ہے۔ غیر مسلم اسلام کو انصاف پسند اور امن کی بجائے پر تشدد کارروائیاں کرنے کا لائسنس خیال کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ حماس کو اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔ جس طرح انہوں نے ماضی قریب میں اسرائیل کے حماس اور پی ایل او کو آپس میں لڑانے کے خطرناک عزائم کو ناکام بنایا ہے ایسے ہی انہیں مستقبل کے خطرات سے نمٹنے کے لئے راہ اختیار کرنی چاہئے۔

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور پھر آیا چاہتا ہے!

اسے لانے میں اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی فکر کیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مسترد کر کے خلافت کا علم کسی اور قوم کے ہاتھ میں تھما دے۔

تار

صدر محترم
جناب فاروق احمد لغاری
اسلام آباد (پاکستان)

کھیلوں (کرکٹ) میں شکست پر سخت افسوس ہوا' تاہم ٹی وی پر آپ کی ٹیم اسلام مخالف غیر اخلاقی غیر قانونی فحش اور احمقانہ ناچ گانے دکھانے میں ضرور بازی لے جائے گی۔ اللہ کا خوف کریں' آپ خود ہی دہشت گردی کو ہوا دے رہے ہیں' مسلمانوں کے غیظ و غضب کو دعوت نہ دیجئے' خدا کیلئے ہمارے زخموں پر نمک چھڑکنا بند کرائیے' اللہ آپکا حامی و ناصر ہو۔

محمد ابراہیم انصاری
بھونڈی' بمبئی (انڈیا)

TELEGRAM

SADAR MOHTARAM
FAROOQ AHMED LAGHARI ESQUIRE,
ISLAMABAD (PAKISTAN)

DEEP CONDOLENCE FOR DEFEAT IN SPORTS HOWEVER LOOKING TELEVISION HOPE YOUR TEAM MAY WIN COMPETITIONS OBSCENE ABSURD SONGS DANCES, DEMONSTRATION OF ANTI ISLAM IMMORAL UNETHICAL SHOWS. FEAR ALLAH. IT IS ALSO INSTIGATION FOR TERRORISM. BEWARE WRATHS OF DEVOTED TRUE MUSLIMS. PLEASE STOP HURTING OUR SENTIMENTS IMMEDIATELY. MAY ALLAH HELP YOU.

MUHAMMAD IBRAHIM ANSARI BHIWANDI BOMBAY (INDIA)

13TH MAR. 1996.

جو شخص راہ حق کا متلاشی ہو اللہ اسے ضرور راستہ دکھلاتا ہے

دوستوں کا کہنا تھا کہ اسلام میں فرقہ بازی کے سوا کیا رکھا ہے؟

مولوی صاحب کی دیکھا دیکھی بچے بھی آپس میں گالیاں دینے لگتے ہیں

تحریر : نجیب صدیقی

زاہد میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کیا آپ میری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟ اس اچانک تخاطب پر میں کچھ پریشان ہوا' مخاطب صورت شکل سے تعلیم یافتہ معلوم ہو رہا تھا' کپڑے صاف ستھرے تھے چہرے بشرے سے سائل بھی معلوم نہیں ہو رہا تھا' میں نے پوچھا کیا بات ہے۔ کہنے لگا آج کل میں ذہنی الجھن میں مبتلا ہوں' آپ کچھ وقت دیں تو میں دل کی بات آپ سے بیان کروں۔ شاید آپ میری کچھ رہنمائی کر سکیں۔

ہم دونوں پارک کے ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔ وہ گویا ہوا۔ میرا نام زاہد ہے۔ میں ایک فرم میں ملازم ہوں۔ بچپن میں میرے والدین نے مجھے ایک مدرسے میں حفظ کرنے کے لئے بٹھایا تھا مولوی صاحب کا رویہ بچوں کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ وہ مار کے ساتھ گالیاں بھی دیا کرتے تھے۔ وہ جب چلے جاتے تو بچے بھی آپس میں انہی گالیوں کا تبادلہ کرتے میرا دل مدرسہ سے اچاٹ ہو گیا تھا لیکن ماں باپ کے جبر کی وجہ سے بادل نخواستہ مدرسہ جانا پڑتا۔ اکثر بچوں کی رائے یہ تھی کہ ہمیں خواہ مخواہ حفظ میں ڈال دیا گیا ہے دوسرے لوگوں کے بچے تو چند گھنٹے اسکول میں پڑھنے کے بعد باقی وقت کھیل کود میں گزارتے ہیں۔ الغرض میں نے اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ بغاوت کی ٹھانی اور فرار ہو کر دوسرے شہر اپنے ایک عزیز کے ہاں چلے گئے۔

اس عزیز نے میرے والدین کو اطلاع دی اور ہم سے وعدہ کیا کہ ہم تمہاری مدد کریں گے۔ تمہیں اسکول میں داخلہ دلوائیں گے ہماری بھی یہی رائے ہے کہ اسکول کی تعلیم ہی سے آدمی کا مستقبل بنتا ہے۔ اس وقت تک میں نصف قرآن حفظ کر چکا تھا۔ میرے والدین اور میرے عزیز میں کیا باتیں ہوئیں مجھے معلوم نہیں البتہ ہمیں اسکول میں داخلہ مل گیا۔

میرے اندر ایک سوال ضرور ابھرتا تھا کہ تم نے حفظ مکمل کر ہی لیا ہوتا تو اچھا تھا۔ لیکن نفس جواب دیتا کہ میری اس بغاوت میں میرے استاد کا بھی بڑا حصہ ہے۔ بہرحال میں نے میٹرک کیا' بی اے کیا اور مجھے ایک پرائیویٹ ادارے میں ملازمت مل گئی۔ لیکن جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو بے چینی میں اضافہ ہو جاتا' ہمارے جو ساتھی حفظ مکمل کر چکے تھے وہ محراب سنایا کرتے تو مجھے بھی دعوت دیتے ان کی عزت افزائی دیکھ کر مجھے مزید دکھ ہوتا اور سوچتا کہ اے کاش میں نے بھی حفظ مکمل کر لیا ہوتا ادھر گھر کی الجھنوں نے یہ موقع نہ دیا کہ بقیہ قرآن حفظ کر لوں تاہم اس کی تلافی کے لئے میں نے عربی سیکھنے کی کوشش کی اور خوش قسمتی سے مجھے اپنے ہی دفتر میں ایک صاحب مل گئے جنہوں نے مجھے بڑی دلچسپی اور خوشدلی کے ساتھ عربی سکھانا شروع کی میں دل ہی دل میں خوش تھا کہ یہ امید پوری ہو جائے گی۔ لیکن میری عربی کی تعلیم ابھی جاری تھی کہ استاد محترم ایک حادثے کی نذر ہو گئے۔

> **"ایک انسان اور خاص کر ایک مسلمان کی زندگی کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد کرے اور اللہ نے اسلام کا جو نظام عطا کیا ہے اسے بالفعل دنیا میں قائم کرے"**

ان کی موت نے میری زندگی پر گہرے اثرات چھوڑے۔ دنیا سے دل اچاٹ ہو گیا' ہر وقت موت کا تصور منڈلاتا رہتا --- صبح کی سیر میرا معمول تھا۔ اس وقت فطرت کی رعنائیاں دیسے بھی دل کو لبھاتی ہیں' ایک دن چلتے چلتے میرے قدم رک گئے۔ ایک دکان میں ٹیپ پر ایک خوش الحان قاری کی بلند آواز میں تلاوت ہو رہی تھی۔ سورۃ مومنون کا پہلا رکوع تھا' میں عربی اتنی پڑھ چکا تھا کہ قرآن مجید کی عبارتوں کا مفہوم آسانی سے سمجھ میں آجاتا تھا۔ یہ آیتیں میرے دل میں اترتی چلی جا رہی تھیں اور میرے وجود کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔ ان آیتوں میں مومن کی جو صفات بیان ہوئی ہیں میں ان سے بالکل عاری تھا' میرے اندر کے انسان نے کروٹ بدلی اور میں نے پختہ عزم کر لیا کہ اب پاکیزہ زندگی اختیار کروں گا۔ اس عزم کا اظہار جب میں نے قریبی دوستوں سے کیا تو وہ کہنے لگے کہ بھئی ہم دنیا دار ہی اچھے ہیں فرقے بازی سے تو بچے ہوئے ہیں۔

میں اس کا کوئی جواب نہ دے سکا لیکن جب میں نے غور کیا تو واقعی محسوس ہوا کہ دین کی بجائے سب لوگ مسلکوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ہر شخص اسی کو کل دنیا سمجھ کر اپنی "دینداری" پر مطمئن ہے۔

میں نے عرض کیا کہ آپ کی باتیں قابل غور ہیں لیکن جو شخص تلاش حق کا عزم کر لیتا ہے اللہ اسے ضرور راستہ دکھاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ شیطان ہمارے دلوں میں شبہات پیدا کرتا اور وسوسے ڈالتا رہتا ہے لیکن انسان کو اگر اس بات کا ادراک ہو جائے کہ اس کی پیدائش بے مقصد نہیں ہے اور آخرت میں اس کو اپنے ہر عمل کی جوابدہی کرنی ہے تو وہ لازماً یہ فکر کرے گا کہ اس کی نجات کیونکر ممکن ہے اسے اس سے غرض نہیں ہوگی کہ دوسرے کیا کرتے ہیں۔

آپ قرآن پر دھیان دیں گے تو محسوس کریں گے کہ ایک انسان اور خاص کر ایک مسلمان کی زندگی کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد کرے اور اللہ نے اسلام کا جو نظام عطا کیا ہے اسے بالفعل دنیا میں قائم کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اسی کام میں صرف ہوئی جس کے نتیجے میں جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کا بول بالا ہوا اور دنیا نے اس کا عملی نمونہ خلافت راشدہ کی شکل میں دیکھا۔ یہی جدوجہد اب آپ کے اور میرے ذمہ ہے' ظاہر ہے اگر اسلام موجود نہیں ہوگا تو لوگ

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کی پوجا کی جائے

دہلی کی ۹۰ سے اوپر مسجدوں میں آج تک تالا پڑا ہوا ہے

اگر کوئی شخص اپنی جان یا مال یا آبرو کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے تو وہ مظلوم ہے

اگر کورٹ سے ڈگری مل بھی جائے تب بھی دوسرے کا مال کھانا اسلام کی نظر میں حرام اور ناجائز ہے

"الرحیق المختوم" کے مولف مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی گاندھی انسٹی ٹیوٹ' بنارس میں ۹/ اگست ۱۹۸۴ء کی ایک تقریر سے اہم اقتباسات

بنارس راج گھاٹ کے پاس گنگا اور برنا ندی کے سنگم پر گاندھی جی کے فلسفہ کی تشہیر و تبلیغ کے لئے گاندھین انسٹی ٹیوٹ کے نام سے ایک ادارہ قائم ہے' جہاں دیگر پروگراموں کے علاوہ وقتاً فوقتاً مقررہ عنوانات پر تقریریں بھی کرائی جاتی ہیں۔ ۹/ اگست ۱۹۸۴ء کو مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارکپوری سے تقریر کرائی گئی۔ اس تقریر کو بعد میں فردوس پبلی کیشنز دہلی نے رسالے کی صورت میں شائع کیا۔ مولانا نے اپنی اس تقریر میں ہندو اور مسلم تہذیبوں کے بعض پہلوؤں کا بڑی خوبصورتی سے تقابل پیش کیا ہے جو قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔ (ادارہ)

میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے گاندھی جی کے ایک اصول کے تعلق سے تشدد اور عدم تشدد کا لفظ بار بار سنا ہے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ ڈکشنری میں اس لفظ کا جو معنی آتا ہے' گاندھی جی اسی معنی میں عدم تشدد کو مانتے تھے یا ان کے یہاں اس کے کچھ اصول' ضابطے' شرطیں اور حدیں بھی تھیں۔ لیکن آج کی مجلس میں مجھے اس کی تلاش بھی نہیں۔ بلکہ مجھے تشدد اور عدم تشدد کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر سے گفتگو کرنی ہے۔ البتہ اصل معاملے پر کچھ کہنے سے پہلے ایک بات واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اسلام دین فطرت ہے۔ دین فطرت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر پیدائشی طور پر جو تقاضے رکھے گئے ہیں' اسلام نے ان سب کی رعایت کی ہے' یعنی انہیں کچل کر ختم نہیں کیا ہے بلکہ ان کے لئے ایسا صحیح راستہ بتایا ہے کہ انسان کی فطرت کے تقاضے بھی پورے ہو جائیں اور انسانی سماج میں اس سے کوئی برائی بھی جنم نہ لے' بلکہ انسانی سماج کو فائدہ ہی پہنچے۔

اس بات کو سامنے رکھ کر پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ تشدد اور عدم تشدد کے بارے میں انسان کی فطرت کیا ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ کوئی بھی انسان یہ نہیں چاہتا کہ اس کی جان ماری جائے' یا اس کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے جائیں' اسے مارا پیٹا جائے' یا اس کا دھن دولت چھین لیا جائے یا اسے بے عزت کیا جائے' اسے گالی دی جائے۔ اس پر کوئی برا الزام لگایا جائے۔ اور انسانی سوسائٹی میں اسے رسوا کیا جائے۔ یعنی ہر انسان اپنی تین چیزوں کا بچاؤ چاہتا ہے' ایک یہ کہ اس کا جسم اور جان محفوظ رہے۔ دوسرا یہ کہ اس کا مال محفوظ رہے اور تیسرا یہ کہ اس کی عزت محفوظ رہے۔ یہ انسان کی فطرت (نیچر) ہے۔

مگر یہ انسان کی فطرت کا صرف ایک پہلو ہے' اس کے علاوہ ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اگر کسی انسان کو جان سے مار ڈالا جائے تو اس کے باپ بیٹے اور گھرانے کے لوگ یہی چاہیں گے کہ مارنے والے سے اس کا بدلہ لیں۔ وہ چاہے جتنے بھی کمزور ہوں اور مارنے والے جتنے بھی طاقتور ہوں مگر جہاں ہو سکے گا بدلہ لینے کی کوشش اور جتن کریں گے۔ اور اگر حالات سے مجبور ہو کر چپ سادھ بھی لیں تو ان کے دل میں اس کی حسرت اور کسک برابر باقی رہے گی۔ انہیں ذرا بھی چھیڑ دیجئے تو اپنا دکھڑا سنانا شروع کر دیں گے اور دل کی آہ زبان پر آجائے گی' لیکن اگر بدلہ مل جائے تو ان کے دل میں حسرت نہیں رہے گی بلکہ اطمینان ہو جائے گا کہ انصاف مل گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر انسانی سماج کو کوئی ایسا نظام دیا جائے جس میں انسانی فطرت کے ان دونوں پہلوؤں کی رعایت کی گئی ہو تو وہ نظام کامیابی سے چل سکتا ہے' لیکن اگر کوئی ایسا نظام بنایا جائے جس میں ان دونوں میں سے کسی ایک بھی پہلو کو چھوڑ دیا گیا ہو تو وہ نظام فیل ہو جائے گا۔ اسلام چونکہ دین فطرت ہے' اس لئے اس نے انسانی فطرت کے ان دونوں پہلوؤں کی پوری پوری رعایت کی ہے۔

قرآن کریم میں پچھلے زمانے کی ایک قوم کا ذکر کرتے ہوئے ایک اصول بیان کیا گیا ہے:

"جس نے کسی ایک جان کو بھی قتل کر دیا اور ایسا نہ تو کسی جان کے بدلہ لینے کے لئے کیا اور نہ زمین میں پھیلے ہوئے فساد سے نمٹنے کے لئے کیا تو اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے ایک جان کو زندہ بچا لیا تو اس نے گویا سارے انسانوں کو زندہ بچا لیا"۔ (المائدہ)

اسی طرح اسلام میں دوسرے کا مال کھانا بھی سخت حرام ہے' اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک بار محمدؐ کے پاس ایک جائداد کا مقدمہ آیا۔ آپ نے سمجھایا کہ دیکھو میں بھی انسان ہوں' ہو سکتا ہے کہ کسی کے زور بیان کی وجہ سے اس کو ڈگری دیدوں' اور حقیقت میں مال اس کا نہ ہو' تو پھر سن لو کہ میں اسے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کورٹ سے ڈگری مل بھی جائے تب بھی دوسرے کا مال کھانا اسلام کی نظر میں حرام اور ناجائز

ہے۔ اب آدمی کی عزت و آبرو کا معاملہ لیجئے۔ اسلام میں اس کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک بار حضرت محمدؐ چند آدمیوں کے ساتھ جا رہے تھے۔ پیچھے دو آدمیوں نے آپس میں باتیں کرتے کرتے ایک آدمی کو جو ایک سزا میں مارا گیا تھا کتا کہہ دیا۔ حضرت محمدؐ کے کان میں یہ آواز پڑ گئی۔ آپؐ تھوڑی دور گئے تو دیکھا کہ ایک گدھا مرا پڑا ہے آپؐ رک گئے اور ان دونوں سے کہا' جاؤ اس کا گوشت کھاؤ۔ وہ دونوں ہکا بکا رہ گئے کہ آخر ہم سے کیا جرم ہو گیا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ ابھی تم دونوں نے ایک آدمی کو جو کتا کہا تو وہ اس سڑے ہوئے گدھے کی لاش کھانے سے بھی زیادہ برا تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کسی کی عزت پر بٹا لگانا اسلام میں کتنا بڑا جرم ہے۔ لیکن اگر کوئی آدمی اس ممانعت کے باوجود کسی کی جان یا مال یا آبرو پر حملہ کر بیٹھے تو اسلامی حکم یہ ہے کہ حملہ آور کو ایسی سزا دی جائے کہ مظلوم کو پورا پورا بدلہ مل جائے' لیکن حملہ کرنے والے پر ظلم بھی نہ ہو۔ یعنی اس نے جتنا بڑا جرم کیا ہے اس سے بڑی سزا نہ دی جائے۔ اس بارے میں یہ بھی طے کر دیا گیا ہے کہ عدالت یا ملک کے سربراہ کو اس بات کا کوئی اختیار نہ ہو گا کہ ایسے مجرم کی سزا معاف کر دیں' یا کم کر دیں' بلکہ یہ اختیار صرف ان لوگوں کو ہو گا جن پر حملہ اور ظلم کیا گیا ہو۔

اگر کوئی شخص کسی بدمعاش یا ڈکیت سے اپنی جان یا مال یا آبرو کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے تو وہ مظلوم ہے' لیکن اگر وہ خود حملہ آور کو مار ڈالے تو ظالم نہیں ہے' لہٰذا اس سے بدلہ نہیں جائے گا۔ یہاں اسلامی قانون کے ایک ایک ٹکڑے کی تفصیل بتانے کی گنجائش نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے دائرے میں کوئی بھی آدمی بے گناہ مارا جائے تو اس کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ اگر کسی بھی طرح قاتل کا پتہ نہ چل سکے تو مقررہ مالی تاوان حکومت کے خزانے سے دیا جائے گا۔ اٹنک کی گزارشات کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام تشدد کی اجازت نہیں دیتا لیکن جو تشدد کرے' اسے آزاد بھی نہیں چھوڑتا اور نہ معمولی سزائیں دے کر اس کی ہمت کو بڑھنے کا موقع دیتا ہے' بلکہ جیسا جرم ہے ٹھیک اسی کے مطابق سزا دیتا ہے' اور اس طرح تشدد کی جڑ کاٹتا ہے۔ دراصل پوری انسانی تاریخ کا تجربہ ہے کہ انسانی سماج سے اس طرح کے جرائم کبھی بھی بالکل نہیں ہو جاتے' مجرم ہمیشہ رہے ہیں اور رہیں گے' اس لئے اس کا علاج صرف یہی ہے کہ سزا اتنی کڑی دی جائے کہ ایسے جرائم کم سے کم رہ جائیں۔

> "یہاں ہر سال آدھے ہزار کے قریب چھوٹے بڑے فساد ہوتے ہیں۔ پاکستان میں اس کا کہیں نام و نشان نہیں۔ آخر کیوں؟ اس کی وجہ کھوج کر اس کو اپنایئے۔ اگر گاندھی بھگتی سے علاج نہیں ہوتا تو جناح بھگتی سے کیجئے"

چونکہ انسان پر مذہب اور عقیدے کی گرفت سب سے مضبوط ہوتی ہے۔ اس لئے بیجا نہ ہو گا کہ ہم تشدد کے چند موٹے موٹے اسباب کی نشاندہی کر کے ان کے بارے میں اسلام کے موقف کی تحسین و توضیح کر دیں۔

انسانی تاریخ کا جائزہ لیجئے تو اندازہ ہو گا کہ تشدد کے اسباب مذہبی بھی ہیں' سماجی بھی اور اقتصادی بھی۔ مذہبی اسباب میں تشدد کی ایک وجہ مورتی پوجا ہے۔ ہندوستان' مصر اور عراق جو مورتی پوجا کے گڑھ رہ چکے ہیں اور ہمارا ملک (بھارت) اب بھی ہے' ان کے بارے میں تاریخ نے دو باتیں خاص طور پر نوٹ کی ہیں۔ ایک یہ کہ ہر جگہ کوئی نہ کوئی ایسی دیوی مانی گئی ہے' جس کے متعلق عقیدہ تھا کہ اس کی مورتی پر انسانی خون نچھاور کیا جائے تو وہ بہت خوش ہوتی ہے۔ اس کے نتیجے میں ہر جگہ انسانوں کو مورتیوں کی بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔ ہمارے ملک میں جب اس طرح کی بھینٹ چڑھانے کا رواج حد سے بڑھ گیا تو مہاویر درد مان اور گوتم بدھ نے اپنے اپنے وقت میں اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور چونکہ یہ مذہبی پیشواؤں کے ہاتھوں تشدد کے شکار عوام کی دل کی آواز تھی اس لئے بہت کامیاب رہی۔

اسلام نے اس طرح کے اسباب کی سرے سے جڑ ہی کاٹ دی ہے۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ پوجا صرف اللہ کی جائے کیونکہ اللہ کے سوا جو کچھ ہے محض نام ہے۔ کسی کے پاس کچھ طاقت اور اختیار نہیں۔ ان کے پوجنے سے مرنے کے بعد والی دنیا تو برباد ہوتی ہی ہے' اس دنیا میں بھی جو کچھ ان لئے خرچ کیا جاتا ہے سب برباد جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلام میں یہ تصور ہی نہیں کہ کوئی آدمی سادھوؤں کی طرح پجاری بن کر مستقل طور پر عبادت خانوں میں رہے۔ اور وہاں عبادت کے لئے جانے والے اسی کے واسطے سے عبادت کر سکیں۔ نیز عورتوں کو صرف نماز باجماعت میں شرکت کی اجازت ہے۔ اور یہ ایسا موقع ہوتا ہے جب کوئی خطرہ اور اندیشہ نہیں۔ تشدد کی ایک اور بڑی وجہ مذہبی عصبیت اور جوش و جنون ہے۔ جب ایک مذہب کا ماننے والا دوسرے مذہب کے لوگوں کو زبردستی اپنے مذہب میں لانا چاہتا ہے تو تشدد کی واردات ہوتی ہیں۔ ہمارے ملک میں جب آرین قوم آئی تو اس نے مذہبی اور نسلی اونچ کے غرور میں یہاں کے اصلی باشندوں کو اتنی بڑی تعداد میں قتل کیا' لوٹا' مارا' اور زندہ جلایا کہ انہیں دکھنی ہندوستان کے جنگلوں میں پناہ لینی پڑی' اور وہ ادھر ہی کے ہو کر رہ گئے۔ گوتم بدھ کی کوششوں سے جب بدھ مت نے عروج پکڑا تو ویدک دھرم کے آریوں کی مجنونانہ کارروائیاں رک گئیں۔ مگر برہمنوں کی حکومت کمزور ہوئی تو ویدک دھرم نے کھتری قوم کی جگہ تھوڑا سا روپ بدل کر راجپوت قوم تیا کی۔ اور بدھوں کے خلاف قتل' غارت گری اور لوٹ پھونک کا ایسا بازار گرم کیا کہ انہیں ہمالیہ کے اس پار بھاگنا پڑا۔ آج چین' جاپان' برما وغیرہ ملکوں میں بدھ مت کی اکثریت ہے' لیکن ہندوستان میں صرف نام کے لئے رہ گیا ہے۔ ان لڑائیوں میں مارے جانے والوں کا اندازہ کروڑوں تک کیا گیا ہے۔

> "اسی طرح کا جنون دور وسطیٰ کے عیسائیوں میں بھی پایا جاتا تھا۔ لبنان اور فلسطین پر ان کا قبضہ ہوا تو انہوں نے نہتے مسلمان مردوں' عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کو اتنی بڑی تعداد میں قتل کیا کہ سڑکوں اور گلیوں میں گھٹنوں سے اوپر تک خون بہ رہا تھا"

اسی طرح کا جنون دور وسطیٰ کے عیسائیوں میں بھی پایا جاتا تھا۔ لبنان اور فلسطین پر ان کا قبضہ ہوا تو انہوں نے نہتے مسلمان مردوں' عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کو اتنی بڑی تعداد میں قتل کیا کہ سڑکوں اور گلیوں میں گھٹنوں سے اوپر تک خون بہ رہا تھا۔ اسپین میں مسلمانوں کی حکومت ختم ہوئی تو وہاں کے کروڑوں مسلمانوں کو مارا اور زندہ جلایا گیا۔ مسلمان تو خیر عیسائیوں سے الگ ایک دوسرے دین و مذہب کے لوگ تھے مگر عیسائی عدالت نے خود اپنے ملک کے عیسائیوں کو معمولی سے مذہبی اختلاف کی بنا پر ایک کروڑ بیس لاکھ کی تعداد میں ہلاک کیا۔ اکیلے اسپین میں تین لاکھ چالیس ہزار عیسائیوں کو قتل کیا گیا جن میں سے ۳۲ ہزار زندہ جلائے گئے تھے۔ یہ مذہبی جنون کے نتیجے میں ہونے والے تشدد کی چند مثالیں ہیں۔ اسلام نے مسلمانوں کے اندر سے اس کی بھی جڑ کاٹ دی ہے۔ اسلام کا اعلان ہے کہ لا اکراہ فی الدین دین میں زبردستی نہیں۔ یعنی جو شخص اپنی مرضی سے جس دین اور مذہب میں چاہے رہے' اسے زبردستی دین اسلام میں داخل نہ کیا جائے گا۔ ظاہر ہے اس وسعت قلبی اور رواداری کے بعد مذہبی عصبیت اور جبرو دباؤ کا نہ کوئی وجود رہے گا' نہ اس کی وجہ سے انفرادی یا اجتماعی تشدد پھوٹے گا۔ بشرطیکہ دوسرے دین دھرم کے ماننے والے بھی یہی اصول اپنالیں۔

مذہبی عصبیت کی اس راہ سے تشدد کی ایک اور قسم بھی جنم لیتی ہے' یعنی دوسرے مذہب کی توہین اور بے عزتی۔ اسلام نے اس سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ قرآن میں حکم ہے۔ ولاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم "اللہ کو چھوڑ کر دوسری جن چیزوں کی لوگ پوجا کرتے ہیں' ان چیزوں کو برا بھلا مت کہو۔ ورنہ وہ لوگ نادانی سے اللہ ہی کو برا بھلا کہیں گے"۔

اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان نہ دوسروں کے مذہب کی توہین کرتے ہیں' نہ ان کے پیشواؤں اور مذہبی راہنماؤں کی۔ اور نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں کی۔ آپ ہندوستان پر مسلمانوں کی گیارہ سو سالہ تاریخ دیکھ ڈالئے! انہیں اتنی قوت حاصل تھی کہ وہ یہاں جو کچھ چاہتے کر ڈالتے۔ مگر انہ انہوں نے مندر توڑے' نہ بت' نہ دوسرے دھرم کے مذہبی راہنماؤں کو برا بھلا کہا۔ نہ ان کے ماننے والوں کو زبردستی مسلمان بنایا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی مسلمانوں کی تعداد سرکاری اعداد و شمار کے مطابق صرف گیارہ' بارہ فیصد ہے۔ پنجاب محمود غزنوی کے زمانہ میں فتح ہوا تھا۔ اور بنگال مغلوں سے پہلے۔ لیکن ان دونوں علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت اس وقت ہوئی جب مسلمانوں کے بجائے بنگال پر انگریزوں کی اور پنجاب پر سکھوں اور پھر انگریزوں کی حکومت تھی۔ آپ یہ بھی دیکھ لیجئے کہ تین' ساڑھے تین سو برس تک سکھ اور مسلمان ایک دوسرے سے اکثر لڑتے رہے' مگر مسلمانوں نے نہ کبھی گرنتھ صاحب کو جلایا' نہ گرونانک کی مورتی توڑی' نہ ان کے کسی گردوارے میں قدم رکھا۔ گولڈن ٹیمپل کی بات تو بہت دور کی رہی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ مسلمان اگرچہ اپنے مذہب سے بہت کچھ دور جا پڑے تھے تاہم ان پر ان کے دین کی اس تعلیم کا کچھ نہ کچھ اثر باقی تھا کہ دوسرے مذہب کی مقدس کتابوں' عبادت خانوں اور بزرگوں کی توہین کر کے اس مذہب والوں کی دلازاری نہیں کرنی چاہئے۔

"جب داماد کو اس کی منشا کے مطابق جہیز نہیں ملتا تو وہ اور اس کے کنبے کے لوگ لڑکی کو ستانے کا سلسلہ شروع کرتے ہیں' جس سے تنگ آ کر لڑکی کبھی تو خود ہی خودکشی کر لیتی ہے' اور کبھی سسرال والے اسے جان سے مار ڈالتے ہیں"

مگر آپ ۷۴ء کے بعد کا حال دیکھئے! ابھی ۳۷ برس بھی پورے نہیں ہو سکے کہ گولڈن ٹیمپل گرا دیا گیا۔ حالانکہ اس کی سپلائی کاٹ کر سارے لڑنے والوں کو زندہ گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ سیکڑوں گردوارے روند دیئے گئے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ جو اندھیر نگری مچی ہے اس کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ ملک آزاد ہوتے ہی مسلمانوں پر جو حملہ ہوا اس کے نامکمل اعداد و شمار یہ تھے کہ ہندوستانی علاقے میں دس لاکھ ساٹھ ہزار مسلمان مارے گئے' اور اس کے بعد سے آج تک خون کی جو ہولی کھیلی جا رہی ہے اسے کہاں تک گنائیں۔ تنہا نیلی میں سرکاری اعداد و شمار تین ہزار اور غیر سرکاری دس سے تیرہ ہزار ہے۔ جبلپور' راؤر کیلا' تھانہ' احمد آباد' جمشید پور' بھیونڈی' بمبئی وغیرہ وغیرہ ہزاروں فسادات کے اعداد و شمار الگ ہیں۔ پھر بربریت کا عالم یہ کہ سرکاری فورس تک کے بارے میں سنا گیا کہ انہوں نے زندہ انسانوں کی آنکھ نکال لی اور ہاتھ پاؤں کاٹ کر زندہ لٹکا دیا۔ کسی کا بھاری پتھر سے گھٹنا اور کہنی توڑ کر زندہ چھوڑ دیا گیا۔ عورتوں کی بے حرمتی کر کے ان کی شرمگاہ پر تیزاب ڈال دیا گیا۔ قرآن کی الگ بے حرمتی کی گئی۔ مسجدوں کا حال یہ ہوا کہ ۴۷ء میں ساڑھے تین سو سے اوپر مسجدیں صرف دہلی میں ڈھا دی گئیں' یا انہیں رہائشی مکان میں تبدیل کر لیا گیا۔ دہلی کی ۹۰ سے اوپر مسجدوں میں آج تک تالا پڑا ہوا ہے۔ جن میں سے شاید دو چار مسجدیں آجکل امام عبداللہ بخاری کے سخت پروٹسٹ کے بعد کھول دی گئی ہیں۔

مراد آباد کی عید گاہ میں جو طوفان قیامت اٹھا اور چھوٹے بچوں تک کو جس طرح بھون دیا گیا وہ سب کو معلوم ہے' ہمارے مورخین (اتہاس لیکھکوں) نے مسلمانوں کے گیارہ سو سالہ دور حکومت کے متعلق جتنے افسانے گھڑ ڈالے ہیں' اگر ان سب کو اکٹھا کر لو اور صحیح مان لو تب بھی وہ کل کے کل مل کر اس چھتیس' سینتیس برس میں ہونے والے ظلم اور اتیاچار کا سواں کیا ہزارواں حصہ بھی نہیں ہو سکتے۔

جہاں تک دوسرے مذہب کے بڑوں اور مذہبی راہنماؤں کی عزت اور قدر کا سوال ہے تو ذرا بازار میں نکلو' دکانوں پر بکنے والی کتابوں کو دیکھو' بلکہ اتہاس کے نام پر سرکاری کورس کے اندر جو کچھ پڑھا جاتا ہے' اور ابھی تازہ بتازہ چھپ کر آیا ہے' اسی کو دیکھ لو۔ وہ محمدؐ جنہوں نے انسانیت کو ظلم و قہر اور گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر رشد و ہدایت اور انسانیت کی روشنی میں پہنچایا اور جن کے متعلق ان کے دشمنوں نے بھی مانا ہے کہ انسانیت کی پوری تاریخ میں اتنا بڑا انسان پیدا نہیں ہوا' ان کے متعلق دیکھو کہ یہاں کے لکھنے والے کیا لکھتے ہیں۔ کتنی بری زبان

"آپ ۷۴ء کے بعد کا حال دیکھئے! ابھی ۳۷ برس بھی پورے نہیں ہو سکے کہ گولڈن ٹیمپل گرا دیا گیا۔ حالانکہ اس کی سپلائی کاٹ کر سارے لڑنے والوں کو زندہ گرفتار کیا جا سکتا تھا"

ہے' کیسا دلازار بیان ہے اور کیسی جھوٹ کی بھرمار ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ لیکن سچ کہتا ہوں کہ میرے نہیں بلکہ دوسرے دھرم کے پیشوا کے بارے میں ایسی باتیں لکھی جائیں تو میں انہیں اپنی زبان پر لانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ گاندھی جی کی روح یقیناً کھڑی فریاد کر رہی ہوگی---- اگر وہ کھڑی ہو سکتی ہوگی--- کہ یہ کیا اندھیر نگری ہے جو گاندھی کو ماننے والوں کے ہاتھوں ان کے دیش میں ہو رہی ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہ مذہبی عصبیت و جنون اور دیوانگی کا اثر ہے۔ اور کسی کی روح فریاد کر کے اس کو ختم نہیں کر سکتی' جب تک کہ اس کا صحیح علاج نہ ہو۔ جب تک تشدد کرنے والوں کے ہاتھ نہ پکڑے جائیں' اور نہتے مردوں' عورتوں بوڑھوں' بچوں پر گولیاں چلانے والے سورماؤں کو تمغے دینے کے بجائے ان کا احتساب نہ کیا جائے۔ موٹی سی مثال سامنے ہے' یہاں ہر سال آدھے ہزار کے قریب چھوٹے بڑے فساد ہوتے ہیں۔ پاکستان میں اس کا کہیں نام و نشان نہیں۔ آخر کیوں؟ اس کی وجہ کھوج کر اس کو اپنایئے۔ اگر گاندھی بھگتی سے علاج نہیں ہوتا تو جناح بھگتی سے کیجئے۔ بیمار کو دوا چاہئے۔ ڈاکٹر کون ہے؟ اسے اس سے کیا مطلب؟ ہو سکتا ہے کہ اس مرحلہ پر ہمارے کچھ بھائی سومنات یا اور کچھ مندروں کا حوالہ دیں۔ اس بارے میں صحیح تاریخی حقیقت سمجھنے کے لئے ایک سوال پر غور کرنا ضروری ہے۔ محمود غزنوی کی فوجیں بنارس کے قریب تک آئیں۔ دریائے سندھ سے یہاں تک سیکڑوں مندر اور ہزاروں بت رہے ہوں گے۔ خود سومناتھ مندر کا حال یہ تھا کہ دو ہزار برہمن اس مندر کے پجاری تھے' اور بڑے بڑے ہندو سرداروں کی پانچ سو جوان بیٹیاں اس مندر میں رہتی تھیں' لہٰذا لازماً اس مندر میں بھی بڑے بت کے علاوہ سیکڑوں اور بت تھے' پھر کیا وجہ ہے کہ محمود غزنوی کی فوجوں نے تھانیسر' متھرا اور سومنات کو چھوڑ کر باقی پورے ہندوستان میں کہیں بھی نہ کسی مندر کو ہاتھ لگایا' نہ کسی بت کو توڑا؟ یہاں تک کہ ان تینوں جگہ بھی کوئی بڑی توڑ پھوڑ نہیں مچائی' بلکہ صرف ایک دو بتوں کو توڑا۔ کھلی بات ہے کہ اگر محمود غزنوی کو بت توڑنے سے دلچسپی ہوتی تو وہ ہر جگہ کے سارے بت توڑ جاتا۔ اور اگر دھن دولت سے دلچسپی ہوتی تو اسے اتنی دولت دی جا رہی تھی کہ بت توڑنے میں اس کا پاسنگ بھی ملنے کی امید نہ تھی۔ بس اتنی سی بات پر آپ غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ بت نہ دولت کے لالچ میں توڑا گیا تھا' نہ مذہبی دشمنی کی بنا پر بلکہ اس کی تہہ میں گولڈن ٹیمپل کی طرح کا کوئی اور معاملہ کار فرما تھا۔ اس کی مختصر روداد یہ ہے کہ محمود غزنوی کے جو بارہ یا سترہ حملے مشہور ہیں' ان میں سے ابتدائی کئی لڑائیاں ہندوستان کی اس وقت کی سرحد کے اس پار سیکڑوں میل دور غزنی اور بلخان کے علاقوں میں ہوئیں۔ یعنی یہ حملے' غزنوی حکمرانوں نے نہیں کئے بلکہ ہندوستان نے کئے' اور وہ بھی اس طرح کہ غزنوی حکمرانوں کو ترکستان و خراسان میں الجھا ہوا پا کر سارے ہندوستان کی بے شمار فوجوں نے مہاراجہ پنجاب کی متحدہ کمان میں بے روک ٹوک پیش قدمی کر کے راجدھانی غزنی تک کو خطرے میں ڈال دیا۔ الگ بات ہے کہ اس طرح کے ہر حملے میں ہندوستان کا ٹڈی دل لشکر غزنی کی مٹھی بھر فوج کے مقابل بری طرح شکست کھا گیا۔ چونکہ ہر حملہ راجہ پنجاب کی قیادت میں ہوتا تھا۔ اس لئے راجہ پنجاب نے ہر بار شکست کے بعد غزنوی حکمرانوں سے معافی مانگی' اور اسے ہر بار معاف کر دیا گیا۔ مگر اس نے ہر بار غداری اور بدعہدی کی' اس طرح جب سلطنت غزنی پر چار حملے ہو چکے' اور چار بار معافی مانگ مانگ کر غداری و بدعہدی کی جا چکی' تب محمود غزنوی نے پنجاب پر جوابی حملہ کیا' اور اسے اپنی سلطنت میں شامل کیا۔

اس عرصے میں باوجودیکہ محمود غزنوی نے راجہ پنجاب کو بے حد رعایتیں دیئے رکھیں' اور اس کی نہایت ہی خوفناک سازشوں اور بدترین غداریوں اور بدعہدیوں کو معاف کرتا رہا۔ مگر اس شریفانہ برتاؤ کا جواب ہندوستانی راجاؤں کے پاس یہ تھا کہ ان "ملیچھوں" (مسلمانوں) کو نیست و نابود کر ڈالو۔ یہ مذہبی جنون تھا۔ جسے اسلام دشمنی نے دو آتشہ کر دیا تھا۔ اسی جوش و جنون میں بدھ مت اور ویدک دھرم نے باہمی عداوت بھلا کر کاندھے سے کاندھا ملا لیا' اور ایک مشترکہ اور دونوں کے لئے قابل قبول دھرم کی حیثیت سے ویشنو دھرم کی ایجاد عمل میں آئی' اور اسی اسلام دشمنی کے جنون میں ہندوستانی راجاؤں اور برہمن پیشواؤں نے مسلمانوں کے بدترین دشمن قرامطہ سے ساز باز کی' اور حضرت علی کو دسواں اوتار مان کر قرامطہ کو بھی ہندو جاتی میں شامل کر لیا۔ اور ان کے ذریعہ محمود غزنوی کے خاتمے کی سازش میں بحرین کے قرامطہ اور مصر کے عبیدیوں تک سے سانٹھ گانٹھ کی۔ اس سازش کا سب سے پہلا گڑھ تھانیسر تھا۔ پھر متھرا مہابن اور سومنات۔ اور چونکہ اس کی لگام برہمن پیشواؤں کے ہاتھ میں تھی' اس لئے یہ کام مذہبی دربار یعنی مندر میں انجام پاتا تھا۔ ان مندروں کے بڑے بتوں کے متعلق عوام کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ یہ محمود غزنوی کو تباہ کر ڈالیں گے۔ اور یہی یقین دہانی عوامی جوش و خروش کا سبب تھی' اور یہ جوش و خروش اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ مالدار تو مالدار غریب اور بیوہ عورتیں تک چرخے کات کات کر اور اپنے زیور بیچ بیچ کر فوجوں کی تیاری میں مدد دے رہی تھیں۔

> "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" پر عمل ہو رہا ہے' اور آپ یقین رکھئے کہ آئندہ بھی اسی پر عمل ہو گا۔ مسلمانوں کو چھوڑ کر دنیا کی تاریخ میں آج تک کوئی ایسی قوم پیدا نہیں ہوئی جس نے طاقتور ہو کر کمزوروں کو لوٹنے کھسوٹنے اور قتل و غارت کرنے کے بجائے عدل و انصاف دیا ہو"

باربار کے تجربے کے بعد محمود غزنوی اس کا انتظار نہیں کر سکتا تھا کہ اس کی سلطنت پر پھر حملہ ہو۔ چنانچہ مجبوراً اس نے پیش قدمی کر کے پہلے تھانیسر کا سازشی گڑھ ختم کیا' پھر متھرا اور مہابن کا۔ یہاں کے بتوں کو توڑنا اس لئے ضروری تھا کہ جب تک وہ باقی رہتے ہندوؤں کا یہ یقین برقرار رہتا کہ محمود غزنوی تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اور اس کی وجہ سے ایک نہ ختم ہونے والی جنگ اور بے پناہ قتل و خونریزی کا سلسلہ جاری رہتا۔ اس کے برعکس بت توڑ دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان علاقوں سے جنگ کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

محمود غزنوی کے متعلق یہ تفصیل محض بر سبیل تذکرہ آ گئی ہے۔ مقصود صرف یہ بتلانا ہے کہ اسلام مذہبی رواداری کا قائل ہے' نہ وہ دوسرے مذہب کے بڑوں کی توہین کرتا ہے نہ ان کے مذہبی کاموں میں رخنے ڈالتا ہے' نہ ان کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی کرتا ہے' نہ کسی کو جبراً مسلمان بنانے کی اجازت دیتا ہے۔ اور وہ دوسروں سے بھی یہی رواداری چاہتا ہے'

اسی لئے اسے یہ گوارا نہیں کہ کوئی طاقت اپنی طاقت کے زعم میں مسلمانوں کو اسلام کی تبلیغ سے روکے یا انہیں زبردستی غیر مسلم بنائے یا جو اپنی آزاد مرضی سے مسلمان ہونا چاہئے اسے مسلمان نہ ہونے دے' اور حقیقت یہ ہے کہ اگر دوسرے مذاہب کے ماننے والے بھی اپنے اندر اتنی سی رواداری پیدا کر لیں تو مذہب کی وجہ سے کسی طرح کی ہنسا اور تشدد نہیں ہو سکے گا۔

اب تک ہم نے تشدد کے چند بڑے بڑے مذہبی اسباب بیان کئے تھے۔ آیئے! اب ایک دو سماجی اسباب بھی سنتے چلیں جس سے خاص ہمارے ملک کو سامنا ہے۔ ایک خاص وجہ ذات پات کا بھید بھاؤ اور اونچ نیچ ہے۔ چنانچہ ہمارے ملک کا سماج جو چھوٹی بڑی

> "گاندھی جی کی روح یقیناً کھڑی فریاد کر رہی ہو گی۔ اگر وہ کھڑی ہو سکتی ہو گی۔ کہ یہ کیا اندھیر نگری ہے جو گاندھی کو ماننے والوں کے ہاتھوں ان کے دیش میں ہو رہی ہے"

اور اونچی نیچی ذات برادریوں میں بٹا ہوا ہے' اس کی وجہ سے یہاں آئے دن چھوٹی ذات والوں کے مارے پیٹے جانے' قتل کئے جانے اور زندہ جلائے جانے کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ اور غالباً اسی سے متاثر ہو کر چند سال پہلے الہ آباد کی انٹرنیشنل ہندو کانفرنس میں اپیل کی گئی تھی کہ ذات برادریوں کی اونچ نیچ اور باہمی چھوت چھات ختم کر دی جائے۔ مگر چونکہ سماجی طبقات کی یہ تقسیم مذہبی (دھارمک) ہے اس لئے اس کا مٹانا سخت مشکل ہے۔ اس کے لئے یا آدمی اپنا مذہب چھوڑ دے یا پھر مذہبی رہنما اپنے مذہب میں تبدیلی لانے کا اعلان کریں۔ مگر یہ اعلان درحقیقت اس بات کا اعلان ہو گا کہ یہ خدائی مذہب نہ تھا' بلکہ انسانوں کے اپنے تیار کردہ کچھ اصول و ضابطے تھے جنہیں مذہب کا تقدس دے کر نافذ کر دیا گیا تھا۔ اسلامی تعلیمات کو دیکھئے تو وہاں اس اونچ نیچ کا نام و نشان تک نہیں' بلکہ مختلف سماجوں نے جو نیچ اونچ پیدا کر دی تھی' اسلام نے اسے برائی قرار دیتے ہوئے مٹایا' اور مٹانے کی ترغیب دی۔ اس باب میں اسلام کی تعلیم قرآن حکیم کے الفاظ میں یہ ہیں : "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قبیلے اور گروہ بنایا تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ (ورنہ) تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے نیک ہو۔ (سورہ حجرات)

ہمارے یہاں تشدد کا ایک اور سماجی سبب تلک یعنی جہیز کا لین دین ہے اس کی وجہ سے ایک طرف غریب گھرانوں کی لڑکیوں کی شادی میں جو غیر معمولی دیر ہوتی ہے' اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی آوارگی' اور اخلاقی بے راہ روی ہے تو دوسری طرف اس تلک کی وجہ سے تشدد کے واقعات بھی بکثرت ہوتے ہیں۔ جب داماد کو اس کی منشا کے مطابق جہیز نہیں ملتا تو وہ اور اس کے کنبے کے لوگ لڑکی کو ستانے کا سلسلہ شروع کرتے ہیں' جس سے تنگ آ کر لڑکی کبھی تو خود ہی خودکشی کر لیتی ہے' اور کبھی سسرال والے اسے جان سے مار ڈالتے ہیں۔ اور حد یہ ہے کہ اس معاملے میں زندہ جلنے کی وارداتیں بھی بڑی کثرت سے ہوتی ہیں۔ اخباروں میں آئے دن اس طرح کی خبریں دیکھنے میں آتی ہیں۔ تنہا دہلی میں تلک کے معاملہ پر روزانہ ایک عورت کی ہلاکت کا واقعہ پیش آتا ہے۔ حکومت نے ہرچند اس کے لئے قوانین بنائے اور کوششیں کیں' مگر یہ مصیبت ٹلتی نظر نہیں آتی۔

> "اسلامی تعلیمات کو دیکھئے تو وہاں اس اونچ نیچ کا نام و نشان تک نہیں' بلکہ مختلف سماجوں نے جو نیچ اونچ پیدا کر دی تھی' اسلام نے اسے برائی قرار دیتے ہوئے مٹایا' اور مٹانے کی ترغیب دی"

ستم ظریفی یہ ہے کہ سماجی تنظیمیں مسلمان عورتوں کی فرضی مظلومیت پر مگرمچھ کے آنسو بہا بہا کر اسلام کو بدنام کرنے کی جان توڑ کوشش کرتی ہیں مگر دوسروں کی آنکھ میں تنکے تلاش کرنے والی ان تنظیموں کو اپنے آنکھ کی موٹی سی لکڑی نظر نہیں آتی۔

قتل اور خودکشی کی بہت سی وارداتیں اس وجہ سے بھی ہوتی ہیں کہ ہندو سماج میں شادی ہو جانے کے بعد مرد اور عورت میں جدائی اور طلاق کا تصور نہیں ہے' اس لئے جب مرد عورت سے دامن چھڑانا چاہتا ہے تو اسے مار ڈالتا ہے' اور جب عورت اپنے شوہر سے زچ ہو جاتی ہے تو خودکشی کر لیتی ہے' اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شوہر ہی کو مار ڈالتی ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کو ان دونوں معاملات میں جو تعلیمات دی ہیں وہ بڑی صاف اور سادہ ہیں' مرد اور عورت گواہوں یا مجمع کے سامنے صرف زبانی اقرار کے بعد شوہر اور بیوی ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے دونوں میں سے کسی پر کوئی مالی ذمہ داری نہیں رکھی ہے۔ صرف شوہر پر مہر کے نام سے اس کی حیثیت کے مطابق ایک معمولی سی رقم عائد کی ہے' جسے وہ اپنی بیوی کو دے گا' اور اس مہر کے بارے میں بھی یہ گنجائش رکھی ہے کہ وہ حسب استطاعت چاہے تو فوراً ادا کر دے' چاہے تو زندگی میں کبھی بھی ادا کرے۔ پھر شادی کے بعد شوہر کی طرف سے کھانے کی جو دعوت کی جاتی ہے' اس کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اپنے دو چار دوستوں کو کوئی چیز چند لقمے کھلا دے۔ بس یہ ہے اسلام کا حکم اس کے بعد آدمی کی اپنی مرضی ہے کہ اس کے پاس مال و دولت ہے تو وہ اپنی حیثیت کے مطابق تھوڑا یا زیادہ کتنا خرچ کرے۔

اسی طرح اسلام نے اگرچہ اس بات کو بہت برا مانا ہے' بلکہ اجازت والی چیزوں میں سب سے زیادہ برا مانا ہے کہ شوہر بیوی کو طلاق دے۔ لیکن بہرحال اس کی گنجائش رکھی ہے کہ اگر مرد و عورت میں نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو ہر طرح سمجھنے سمجھانے اور دونوں خاندان کے لوگوں کی طرف سے زور اور دباؤ ڈالنے کے بعد آخری چارۂ کار کے طور پر شوہر طلاق دے دے یا عورت خلع کرا لے۔ یہ بات جتنی بری ہو' قتل اور خودکشی سے بہرحال کم بری ہے اس لئے قانون درحقیقت انسانیت پر اسلام کا احسان عظیم ہے' اور دنیا کی وہ ساری قومیں جو طلاق کی قائل نہیں تھیں اب قائل ہوتی جا رہی ہیں۔ مجھے اس بات کا اقرار ہے کہ آج ان دونوں معاملات میں یعنی نیچ اونچ اور طلاق کے معاملات میں مسلمانوں کا عمل ٹھیک ٹھیک اسلامی ہدایات و تعلیمات کے مطابق نہیں ہے' اس لئے اس کا پورا فائدہ بھی انہیں نہیں مل پا رہا ہے' پھر بھی دوسروں کے مقابل ان کا سماج بہت محفوظ ہے۔ اور ان میں آپ ان معاملات کی وجہ سے قتل اور خودکشی کی واردات ڈھونڈھے سے بھی بمشکل ہی پا سکیں گے۔

تشدد کے اب تک جو اسباب ذکر کئے گئے ہیں ان کے علاوہ تشدد کے معاشی اور نفسیاتی اسباب بھی ہیں۔ نفسیاتی اسباب میں حسد' کینہ' عداوت' ظلم'

تعدی اور طاقت کی نمائش کا ذوق وغیرہ وغیرہ ہیں۔ اور ان معاشی اور نفسیاتی اسباب کے بارے میں بھی اسلامی تعلیمات ہی سب سے زیادہ صحیح و معتدل علاج ہیں۔ مگر ان سب پر گفتگو کی گنجائش نہیں۔ البتہ تشدد کے تعلق سے مزید ایک بات کہہ کر گفتگو ختم کرنا چاہتا ہوں اور یہ بات ہے انفرادی تشدد کے بجائے اجتماعی تشدد کی۔ یعنی ملکوں اور قوموں کے درمیان جنگ و جدل کی۔

انسانی تاریخ کو کھنگالئے تو اندازہ ہوگا کہ جس طرح کے اسباب انفرادی تشدد کو جنم دیتے ہیں' اسی طرح کے اسباب سے جنگوں اور لڑائیوں کے بھی دروازے کھلتے ہیں۔ کوئی قوم کسی قوم سے بڑی بن کر

> "عرب کے سینکڑوں قبائل کے بارے میں یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ مجموعی طور پر ان سب کے صرف ۷۵۹ آدمیوں کو قتل کر کے انہیں ان کی مرضی کے خلاف ایک دوسرا دین و مذہب اختیار کرنے پر مجبور کر دیا گیا"

رہنا چاہتی ہو' اس کی خوبیوں پر حسد سے جلتی ہو' اور اس کی خوشحالی اور بہترین پیداوار پر للچائی ہوئی نظر رکھتی ہو تو موقع تلاش کر کے اور بہانے پیدا کر کے اس پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اور اسے مار کاٹ کر اور لوٹ کھسوٹ کر تباہ و برباد کر ڈالتی ہے۔ یہ بات اس وقت سے ہوتی آ رہی ہے جب سے انسان کی تاریخ معلوم ہے' اور اب تک ہو رہی ہے' اور ہر طرح کے بین الاقوامی معاہدوں اور کوششوں کے باوجود اس کے آثار نظر نہیں آتے کہ اسے روکا جا سکے گا۔ ۱۹۷۱ء کے اخیر میں بنگلا دیش کی جنگ ہوئی تو اقوام متحدہ کے ۱۰۴ ممالک نے ہندوستان کے اقدام کو غلط قرار دیتے ہوئے اس سرزمین کو خالی کر دینے کی قرارداد پاس کی۔ صرف چار ووٹ اس قرارداد کے خلاف گئے' جس میں ایک خود ہندوستان کا تھا۔ ایک روس کا اور دو روس کے حاشیہ برداروں کا۔ پھر ہیگ کی عالمی عدالت نے بھی ہندوستانی اقدام کو غلط قرار دیتے ہوئے فیصلہ کیا کہ بنگلہ دیش کی تشکیل خلاف قانون ہے۔ مگر ہندوستان نے ساری دنیا کے فیصلے کو ٹھکرا کر وہی کیا جو اسے کرنا تھا۔

اسی طرح روس نے افغانستان پر دھاندلی سے قبضہ کر لیا ہے۔ وہاں کے باشندے اپنی آزادی کے لئے موت و زندگی کی لڑائی لڑ رہے ہیں' اور ساری دنیا ہر سال قرارداد پاس کرتی ہے کہ روس افغانستان سے نکل جائے مگر وہ سب کے فیصلوں کو روند کر افغانستان میں جما ہوا ہے۔ (ذہن میں رہے کہ یہ تقریر اگست ۱۹۸۴ء کی ہے) عربوں کی سرزمین پر طاقت کے زور سے اسرائیل کو بسایا گیا ہے۔ پھر وہ مدتوں سے اقوام متحدہ کی قرار دادیں رد کر کے عربوں کی مزید زمینیں ہڑپ کیے ہوئے ہے۔ اور انہیں خالی کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔

یہ تین مثالیں میں نے صرف اس مقصد کے لئے پیش کی ہیں کہ آج بھی دنیا میں "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" پر عمل ہو رہا ہے' اور آپ یقین رکھئے کہ آئندہ بھی اسی پر عمل ہو گا۔ مسلمانوں کو چھوڑ کر دنیا کی تاریخ میں آج تک کوئی ایسی قوم پیدا نہیں ہوئی جس نے طاقتور ہو کر کمزوروں کو لوٹنے کھسوٹنے اور قتل و غارت کرنے کے بجائے عدل و انصاف دیا ہو۔ یہ صرف مسلمان ہیں جو بین الاقوامی اسٹیج پر کھڑے ہو کر دنیا کی ساری قوموں کو مخاطب کر کے کہہ سکتے ہیں کہ۔

ہم نے جب ہوش سنبھالا تو سنبھالا تم کو
تم نے جب ہوش سنبھالا تو سنبھلنے نہ دیا

اس حقیقت کے پیش نظر اسلام نے مسلمانوں کو کبھی اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رکھا کہ دنیا سے جنگ ختم ہو سکتی ہے۔ اس لئے اسلام نے اس مفروضے کے چکر میں ڈالنے کے بجائے مسلمانوں کو جنگ کے ایسے اصول اور ضابطے دیے کہ تباہی و بربادی کی یہ سب سے بری اور بڑی لعنت بھی انسانیت کی خدمت کا ذریعہ بن گئی۔ یعنی جتنے اسباب کے تحت دنیا میں جنگ ہوا کرتی تھی اسلام نے مسلمانوں کو ان سب سے روک کر صرف دو ایسی منصفانہ وجہوں کے تحت جنگ کی اجازت دی کہ اگر دنیا کی دوسری قومیں بھی طے کر لیں کہ صرف ان ہی دو وجہوں کی بنا پر جنگ کریں گے تو سرے سے جنگ ہی نہ ہوگی۔ اسلام کے نزدیک جنگ کی ایک وجہ یہ ہے کہ کوئی ملک یا قوم ان پر حملہ کر دے' دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ کی راہ سے روکا جائے اور مسلمانوں کو اسلام پر عمل نہ کرنے دیا جائے' ان دو وجہوں یعنی مسلمانوں پر حملہ یا اللہ کی راہ سے روکنے کے علاوہ اور کسی وجہ سے اسلام لڑائی کی اجازت نہیں دیتا پھر ان دو صورتوں میں بھی اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ پہلے دوسرے فریق سے گفت و شنید کے ذریعہ مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی جائے' اور ہتھیار کا سہارا صرف اس وقت لیا جائے جب کوئی چارۂ کار اس کے سوا نہ رہ جائے۔ پھر اگر جنگ چھڑ جائے تو دوران جنگ اور بعد از جنگ مسلمانوں کو ایسے ضابطوں کا پابند بنایا گیا ہے کہ جنگ کے معاملے میں اس سے بہتر ضابطہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی مسلمانوں کو صرف لڑنے والوں سے لڑنے اور انہی کو مارنے کی اجازت ہے۔ عورتوں' بچوں' بوڑھوں' سادھوؤں' راہبوں اور غیر متعلق لوگوں پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں۔ مویشیوں' کھیتیوں' مکانات اور باغات وغیرہ کو جلانے' اجاڑنے اور تاخت و تاراج کرنے کی بھی قطعی ممانعت ہے۔ قیدیوں میں سے صرف ان لوگوں کو سزائے موت دیے جانے کا ثبوت ہے جو صرف سپاہی نہیں تھے' بلکہ فساد کی جڑ اور جنگی مجرم تھے۔

> "مسلمانوں کو صرف لڑنے والوں سے لڑنے اور انہی کو مارنے کی اجازت ہے۔ عورتوں' بچوں' بوڑھوں' سادھوؤں' راہبوں اور غیر متعلق لوگوں پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں"

پھر ان ساری پابندیوں اور احتیاط کے ساتھ بھی جنگ کی اجازت صرف اسی وقت تک کے لئے ہے جب تک کہ دوسرا فریق صلح کی طرف نہیں جھکتا' اور جنگ ہی پر اڑا ہوا ہے ورنہ جوں ہی دوسرا فریق صلح پر آمادہ ہو' اسلام جنگ بند کر دینے کا حکم دیتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

اگر وہ (یعنی مخالفین) صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کے لئے جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو"۔

اس حکم کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے پوری طرح چنگل میں آئے ہوئے دشمنوں بلکہ غداروں تک کی بھی درخواست صلح فوراً منظور کر لی اور نہایت فیاضی' رعایت اور کشادہ دلی سے کام لیا ہے۔ پیغمبرؐ کے تعلق سے صلح حدیبیہ کا واقعہ اور ہندوستان کے تعلق سے جے پال و انند پال کے لئے سبکتگین اور محمود

غزنوی کی معافیاں اور رعایتیں اس کی واضح مثالیں ہیں۔

اسلامی قوانین جنگ کے متعلق ان مختصر اشارات سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ اسلام کے نزدیک جنگ کا معاملہ مذہب کے پھیلاؤ یا جارحیت سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ خالصتاً بین الاقوامی امن و امان اور مذہبی خود مختاری و آزادی فکر کے قیام سے تعلق رکھتا ہے۔ واقعات کی حتمی شہادت بھی یہی ہے۔ اسلام سے پہلے کا عرب لڑائیوں اور قتل و غارت کے لئے بہت مشہور ہے میں اس سلسلے میں ایک واقعہ پیش کر رہا ہوں۔ اسلام کی آمد سے کچھ پہلے دو چچا زاد قبیلوں بکر اور تغلب کے درمیان صرف اتنی سی بات پر جنگ چھڑ گئی کہ ایک قبیلے کے ایک آدمی کا اونٹ دوسرے قبیلے کے ایک آدمی کی چراگاہ میں چلا گیا تھا۔ پھر اس جنگ نے اس قدر طول پکڑا کہ رہ رہ کر چالیس برس تک جنگ ہوتی رہی اور جموعی طور پر فریقین کے کوئی ستر ہزار آدمی یعنی اوسطاً ہر قبیلے کے ۳۵، ۳۵ ہزار آدمی مارے گئے، لیکن پھر بھی کوئی قبیلہ دوسرے کے سامنے جھکنے اور اس سے صلح کرنے پر آمادہ نہ ہوا حالانکہ دونوں اصلاً ایک ہی قبیلے کی دو شاخ تھے۔

اب آپ ایک طرف عربوں کی یہ اکڑ اور ان کا یہ جنگجویانہ مزاج دیکھئے اور دوسری طرف اسلامی جنگوں اور اسلام کے پھیلاؤ کو دیکھئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جنگ کے جتنے واقعات پیش آئے، ان سب میں مسلمان اور ان کے مخالفین دونوں کو ملا کر مجموعی طور پر جو لوگ قتل کئے گئے۔ ان کی تعداد صرف ۱۰۱۸ ہے، ۲۵۹ مسلمان اور ۷۵۹ غیر مسلم۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دور میں پورے عرب کے اندر اسلام پھیل گیا۔ یعنی شمال مغرب اور شمال مشرق میں شام و عراق کی سرحدوں سے لے کر بحر ہند، خلیج اور اور بحر قلزم کے سواحل تک ہر جگہ اسلام پھیل گیا اور اس پورے علاقے پر اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔ سوال یہ ہے کہ جس عرب کے صرف دو قبیلے اپنے ۳۵، ۳۵ ہزار آدمیوں کی جان گنوا کر اپنے مخالف کے سامنے سر جھکانے پر تیار نہ ہو سکے۔ کیا اس پورے عرب کے سینکڑوں قبائل کے بارے میں یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ مجموعی طور پر ان سب کے صرف ۷۵۹ آدمیوں کو قتل کر کے انہیں ان کی مرضی کے خلاف ایک دوسرا دین و مذہب اختیار کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ہرگز نہیں۔ اس لئے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام اپنے پھیلاؤ کی بنیاد اپنے سادہ اور سچے اصولوں، خدا پرستی کی بہترین تعلیمات اور ہر طرح کے سماجی و معاشی عدل و انصاف اور اپنے مبلغین کی سچی تبلیغی خدمات پر رکھتا ہے۔ مگر اس مقصد کے لئے طاقت کا استعمال نہیں کرتا، بلکہ طاقت کا استعمال صرف اس وقت کرتا ہے جب کسی کی جارحیت ختم کرنی ہو۔ یا مذہب کے بارے میں لوگوں کی خود مختاری کے اندر کسی طاقت کی مداخلت بند کرانی ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی شخص جو حق و انصاف کا مطلب جانتا ہے وہ اسے نہ تو ظلم کہہ سکتا ہے نہ تشدد۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تشدد کی اس خوفناک صورت یعنی جنگ کو کم سے کم کرنا ہو یا مٹانا ہو تو یہ کام ان اصولوں کا سہارا لئے بغیر ممکن نہیں، جنہیں اسلام نے اب چودہ سو برس پہلے طے کر کے جنگ کی بھٹی میں سلگتی ہوئی دنیا کو امن و امان کا گہوارا بنا دیا تھا۔

خلافت ارضی

تحریر: امام الدین محمد طٰہٰ بن حبیب، ڈھاکہ، بنگلہ دیش

اہل کتاب یعنی یہودی، عیسائی اور مسلمان تینوں منتظر ہیں کہ ایک "نجات دہندہ" آئے گا اور نوع انسانی کو شیطانی چکر سے نکال کر راہ حق پر گامزن کر دے گا۔ یہودی اس ہستی کو "مسیحا" کا نام دیتے ہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں تشریف لانے پر یقین رکھتے ہیں اور ہم، یعنی مسلمان ایک مرد کامل کے منتظر ہیں جنہیں "امام المہدی" کا نام دیا جاتا ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ بعد میں حضرت عیسیٰؑ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔

اس میں جو سب سے اہم نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ یہودی سمجھتے ہیں کہ مسیحا کی مدد اور راہنمائی میں انہیں پوری دنیا پر فتح حاصل ہو گی اس وقت ان کا جو بھی عقیدہ، کردار اور حیثیت ہے اس سے غرض نہیں، کیونکہ وہ حق پر ہیں اور پوری دنیا میں ان کی نسل کو برتری حاصل ہے۔ عیسائیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰؑ، جو اللہ کے بیٹے ہیں دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں آئیں گے اور انہیں تمام گناہوں سے پاک کر کے ابدی مسرت و شادمانی سے ہمکنار کر دیں گے۔ خود انہیں کچھ کرنے یا اپنے عقائد و نظریات اور طرز عمل کو بدلنے کی ضرورت نہیں، ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار سمجھتے ہیں کہ صرف ہم ہی راہ حق پر ہیں۔ امام المہدی اور حضرت عیسیٰؑ اکٹھے تشریف لائیں گے اور پوری دنیا میں ہمارا غلبہ قائم کرا دیں گے۔ جس طرح سپین، افریقہ اور وسط ایشیاء میں مسلمان آناً فاناً قدم بڑھاتے ہوئے چھا گئے تھے اور دنیا کے وسیع خطے بنو امیہ اور بنو عباس کے زیر نگیں آ گئے تھے اسی طرح ہم عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں اور بدھوؤں کو روندتے ہوئے اپنا مطیع بنا لیں گے، مگر ان سب کو جان لینا چاہئے کہ امام المہدی اور عیسیٰ ابن مریم ایسے کام کرنے کے لئے نہیں آ سکتے۔

اللہ کو ماننے والا کوئی شخص دنیا پر اپنا قبضہ جمانے کا سوچ بھی نہیں سکتا، وہ صرف اللہ کے نائب کے طور پر دنیا میں حکومت قائم کریں گے، اللہ کا دنیا میں آدمؑ کو اپنا نائب (خلیفہ) بنا کر بھیجنا بے مقصد نہیں اور جو شخص اس مقصد سے انحراف کرتا ہے وہ باغی شیطان قرار پاتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اس وقت موجود تینوں اہل کتاب، یہودی، عیسائی اور نام نہاد مسلمان ایک دفعہ اس جرم کا ارتکاب کر چکے ہیں، لہٰذا یہ خیال خام ہے کہ ایسے سرکشوں کو اللہ دوبارہ دنیا پر خلافت عطا کرے گا ہاں جو لوگ فی الواقع تائب ہوں گے اور اپنے کرتوتوں پر نادم ہوں گے، انہیں اللہ زمین پر یقیناً آخری طور پر خلافت سے نوازے گا۔

(اخذ و ترجمہ: سردار اعوان)

مسلمان ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہمارا یقین نہیں ہے

مغربی عورت کو اپنے معاشرے میں قطعاً کوئی تحفظ' ادب و احترام اور حقوق حاصل نہیں ہیں !

اسلامی تہذیب میں بے پردگی' آوارگی' عریانی' فحاشی اور شوبز کی کوئی گنجائش نہیں

والدین اپنی بچیوں کو دنیاوی تعلیمات کے ساتھ ساتھ بنیادی دینی تعلیم سے بھی آراستہ کریں

تحریر : محمد اسحاق بھٹی

دور حاضر میں خواتین کا مردوں کے مقابل آبادی میں تناسب بڑھ جانے' ان کی بڑی اکثریت کا دنیاوی اور بالخصوص دینی تعلیم سے ناواقف ہونے' مردوں میں خدا کا خوف اور اخلاقی ضابطوں کے فقدان وغیرہ وغیرہ کے باعث عورتوں پر مظالم بہت بڑھ رہے ہیں جس کی بنا پر چند تعلیم یافتہ عورتوں کی طرف سے صدائے احتجاج اور مظلوم عورتوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار ایک فطری ردعمل ہے۔ لیکن اخبارات میں بیانات پڑھ کر اور ٹی وی پر مذاکرے وغیرہ سن کر اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ یہ احتجاجی عورتیں جہاں اپنے مقصد کے لئے جدوجہد میں مخلص ہیں وہاں اسلامی تعلیمات سے کماحقہ واقف نہیں ہیں۔ اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ دین فطرت ہے یعنی جس خالق نے انسان کو پیدا کیا ہے اسی نے اس کی خوبیوں کو دائم و اجاگر کرنے اور خرابیوں پر قابو پا کر روحانی و جسمانی عوارض سے محفوظ رہنے اور دنیا میں پرسکون زندگی گزارنے کے زرین اصول بتائے ہیں۔ کیا یہ ناقابل تردید حقیقت نہیں ہے کہ جس کاریگر نے کوئی چیز بنائی ہو اس سے زیادہ اس چیز کے بارے کوئی دوسرا قطعاً نہیں جانتا؟ لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہمارا وہ یقین نہیں ہے جو ہونا چاہئے۔ دوسری طرف پوری دنیا' خاص طور پر مادی ترقی یافتہ یورپی ممالک کے غیر مسلم انسان اپنی زندگی کے مشاہدات کی روشنی میں یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ جو ہدایت و حقیقت اسلام میں ہے دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں ہے اس امر کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ ایک عورت کو تعلیم دے کر اس کی اصلاح کرنا اس کے پورے خاندان' ماحول اور آئندہ نسلوں کی اصلاح کرنے کے برابر ہے مگر افسوس کہ ہم نے مسلمان ہوتے ہوئے بھی اپنی مذہبی تعلیمات کو گھر کی مرغی دال برابر سمجھا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے پاس نسخہ کیمیا ہونے کے باوجود ہمارے معاشرے میں آفاقی اخلاقیات تو کیا انسانوں کے بنائے ہوئے اخلاقی اصولوں کے خلاف بے پناہ مظالم سننے' دیکھنے اور اخبارات وغیرہ میں پڑھنے کو آ رہے ہیں انہی مظالم میں عورتوں پر طرح طرح کے دلدوز اور شرمناک واقعات بھی شامل ہیں۔ چنانچہ عورتوں میں عدم تحفظ اور بیچارگی کا احساس ان کے ذہنوں کو بری طرح متاثر کر رہا ہے جس کے باعث ان میں کئی قسم کی ذہنی بیماریاں بھی پیدا ہو رہی ہیں۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عورت چند ایک جسمانی باتوں کے سوا مرد کے مساوی اہلیت اور ذہانت وغیرہ سے مزین ہے لیکن ماحول نے اس میں بزدلی' کمتری' عدم تحفظ اور بیچارگی وغیرہ کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اس بگاڑ میں مردوں کا دخل زیادہ ہے ورنہ عورت کو جہاں سازگار ماحول ملا ہے وہاں اس نے اپنے جوہر بخوبی دکھائے ہیں جن میں تعلیم اور میڈیکل کے میدان' بنک اور دیگر دفاتر وغیرہ قابل ذکر ہیں حتیٰ کہ مشکل کاموں یعنی سول انجینئرنگ' ہوائی جہاز اڑانے اور بحری جہازوں کی تیاری اور مرمت وغیرہ میں بھی عورت مردوں کی طرح کام کرتی نظر آتی ہے۔

> "بین الاقوامی امور کے ماہرین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ اس کانفرنس کے ذریعے اسرائیل نے اپنے آپ کو مشرق وسطیٰ کی عرب اقوام کی صف میں شامل کروا لیا ہے اور اپنی حقیقت تسلیم کرانے کا اس کا پچاس سالہ خواب باآسانی پورا ہو گیا ہے"

ان حالات میں والدین کے لئے بڑا لمحہ فکریہ ہے کہ وہ اپنی بچیوں کو دنیاوی تعلیمات کے ساتھ ساتھ بنیادی دینی تعلیم سے بھی آراستہ کریں۔ اس طرح وہ عورتوں میں عورت کے ذریعے تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرنے کا حق بھی بخوبی ادا کریں گے۔ کیونکہ دین سے بے بہرہ یعنی بے دین مسلمان اور غیر مسلم عورتیں صرف اعلیٰ دنیاوی تعلیم کے باعث اونچی سطح پر بے دینی اور بے حیائی وغیرہ کی تشہیر اور اسلامی اصولوں پر غلط اعتراضات کرتی ہیں تو ان کو شافی جواب دینا عورت ہی کی زبان سے زیادہ موزوں ہے' مردوں کا غیر عورتوں کو جواب دینا یا بحث کرنا اچھا نہیں لگتا۔ اس کے علاوہ عورت ہی عورت کی نفسیات کو صحیح طور پر سمجھتی ہے اور وہی اس کو اس کی زبان و آداب میں صحیح جواب دے سکتی ہے کیونکہ عورت ایک ہی بات کو بار بار کہنے یا دوسری عورتوں کی بات سننے کی بجائے اپنی ہی بات کو دہراتے رہنے کی عادی ہے خواہ کوئی سن سکے یہ نہ سن سکے۔ جبکہ مرد ایک سے زیادہ بار کسی بات کو کہنے اور دوسرے کی بات کے دوران بلاوجہ بولنے کو برا سمجھتا ہے۔ خیر! مقام افسوس ہے کہ ہمارے ہاں عورت کو دینی و دنیوی تعلیم بیک وقت فراہم کرنے کا خاطر خواہ کوئی انتظام تو کیا کوئی توجہ ہی نہیں ہے حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت کو جو معاشرتی تحفظ' حقوق اور مقام آداب و احترام اسلام نے دیا ہے آج کی دنیا میں کسی دوسرے مذہب نے نہیں دیا۔ عورت کے ساتھ ظلم اور عدم احترام کا رویہ جس سے عدم تحفظ اور بیچارگی کا احساس جنم لیتا ہے وہ پہلے عورت کے اپنوں یعنی ماں باپ اور بھائیوں وغیرہ سے شروع ہوتا ہے ہے شوہروں اور غیر مردوں کے

مظالم دوسرے نمبر پر ہیں اس کی پہلی معروف مثال یہ ہے کہ والدین چند پیسوں کے عوض اپنی بیٹی کو نااہل' بوڑھے یا بدکردار آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں یا لڑکی کی مرضی کے خلاف اس کی ناپسند آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں یا لڑکی کی مرضی کے خلاف اس کی ناپسند آدمی سے شادی کر دیتے ہیں دوسری مثال کہ بھائی اپنی بہن کو وراثت سے محروم کرنے کے لئے یہ خوف دلاتے ہیں کہ اگر اس نے وراثت سے دست کشی نہ کی تو اس پر کسی طرف سے ظلم ہونے پر ان کے دروازے اس کے لئے بند ہیں' مجبوراً وہ بیچاری وراثت سے محرومی اختیار کر لیتی ہے حالانکہ اگر عورت کو علم ہو کہ اس کے اسلامی معاشرے میں کیا حقوق ہیں اور حق تلفی کی صورت میں وہ کیا طریقے اختیار کر سکتی ہے تو وہ یقیناً کبھی ایسا نہ کرے۔ وہ ان مظالم کا شکار اسی لئے بن جاتی ہے کہ اسے دین و دنیا کی کماحقہ تعلیم نہیں ہے ورنہ تعلیم ہی ایک ایسا جوہر اور ہتھیار ہے جو انسان میں خودشناسی اور خود اعتمادی پیدا کر کے اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے جرات مند بنا دیتا ہے اور پھر خودی اور ایمانی حرارت کی بنا پر مولہ بھی شہباز سے ٹکرا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تعلیم ہی خاص طور پر عورت کے لئے ہر قسم کا تحفظ فراہم کرتی ہے۔ کئی مثالوں میں سے صرف ایک آدھ کا ذکر کرتا ہوں کہ دین اسلام نے شوہر کو بیوی پر کسی قسم کی ناانصافی اور ظلم سے روکا ہے۔ معاشرتی تحفظ فراہم کرنے کا ذمہ دار ٹھہرانے کے ساتھ ساتھ مرد کو ان باتوں کی خلاف ورزی کرنے پر سزا کی وعید بھی سنائی ہے۔ دوسری طرف عورت کو ذاتی ملکیت رکھنے کی اجازت دی ہے حتی کہ اگر شوہر مفلس ہو جائے تو بیوی کو شوہر کو زکوۃ دینے کی بھی اجازت دی ہے۔ ماں کے قدموں (یعنی ماں کی خدمت) میں جنت رکھ کر مردوں سے ممتاز بنا دیا ہے۔ اگر عورت اسلامی اصولوں کی پابند ہو جائے تو اس کو تحفظ اور سکون کے علاوہ دنیوی اور اخروی ابدی زندگی میں بلند درجات' انعام و اکرام کا بھی اسلام نے وعدہ کیا ہے۔ اس کے برعکس مغربی عورت جس کی بے پردگی کو دیکھ کر ہماری عورت آزادی نسواں کا دھوکہ کھا رہی ہے اسے تو معاشرے اور آخرت میں قطعاً اس قسم کا تحفظ' ادب و احترام اور حقوق حاصل نہیں ہیں لہٰذا موجودہ دور کی عورت کے لئے اسی میں عافیت ہے کہ وہ دین اسلام کی تعلیم حاصل کرے اور اپنے حقوق و فرائض سے بہرہ ور ہو۔ اگر عورت پردہ اور دیگر دینی فرائض پورے کرتے ہوئے دنیاوی تعلیم حاصل کرے' جائز طریقے سے روزگار بشرط ضرورت کمائے تو اسلام اسے ان باتوں سے منع نہیں کرتا۔

> "یہ بھی ایک حقیقت بلکہ تلخ امر ہے کہ ان عورتوں کی بے پردگی ہی مردوں کو ان جرائم کی طرف دعوت دی ہے جس سے چند اوباش' آوارہ ذہن اور خدا کے خوف سے عاری مرد ان عورتوں کی خواہش کے مطابق ان کا پیچھا کرتے ہیں"

> "عورتوں میں عدم تحفظ اور بیچارگی کا احساس ان کے ذہنوں کو بری طرح متاثر کر رہا ہے جس کے باعث ان میں کئی قسم کی ذہنی بیماریاں بھی پیدا ہو رہی ہیں۔"

> "اسلام نے شوہر کو بیوی پر کسی قسم کی ناانصافی اور ظلم سے روکا ہے۔ معاشرتی تحفظ فراہم کرنے کا ذمہ دار ٹھہرانے کے ساتھ ساتھ مرد کو ان باتوں کی خلاف ورزی کرنے پر سزا کی وعید بھی سنائی ہے"

اس کے برعکس المیہ یہ بھی ہے کہ ہمارے علمائے کرام اور دیگر مذہبی اور فلاحی اداروں نے عورت کی دینی تعلیم کے لئے نہ ہونے کے برابر مدارس قائم کئے ہیں انہوں نے صرف مرد کو ہی اس کا اہل سمجھا ہے۔ لاہور ہی کی بات کریں تو بے شمار مردانہ مدرسے ہیں جبکہ عورتوں کے لئے چند ایک اور وہ بھی ادنیٰ درجے کے جن کے ماحول میں گھٹن جبکہ مردوں کے لئے اعلیٰ درجے کے جن میں بیرونی ممالک کے مرد بھی بہ رغبت تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ طرہ یہ ہے کہ سات آٹھ سال کے کورس اور ان میں بھی رٹا لگوانے کا ذریعہ تعلیم بنیادی اصول ہے جس کی بنا پر معقول آدمی اپنی بچی کے لئے ادھر کا رخ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اکثر وہی لوگ رجوع کرتے ہیں جو بچیوں کو روٹی کپڑا وغیرہ فراہم کرنے سے عاجز یا بچیوں میں ذہانت کی کمی یا کسی جسمانی معذوری سے دوچار ہوتے ہیں۔ یہاں میرا ایک ذاتی تجربہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ اپنی بچی کو ایف اے کے بعد مکمل دینی تعلیم دلوانے کی غرض سے ایک مدرسے میں داخل کرا دیا جہاں پڑھائی بذریعہ رٹا پر اتنا زور تھا کہ تین چار ماہ بعد ہی بچی کے سر کے بال گرنا شروع ہو گئے۔ نزلہ اور سردرد دائمی رہنے لگ گیا۔ حافظہ خراب ہونے لگ گیا حالانکہ بارہ سال کی گزشتہ تعلیمی مدت میں ایسی حالت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ ناچار اس کو گھر واپس لے آیا۔ دوبارہ ایسے ادارے کی تلاش شروع کی جہاں عصری اور دینی تعلیمات کا عورتوں کے لئے بیک اہتمام ہو۔ وائے افسوس! کہ آرزو چاک شود۔ اس ضمن میں ڈاکٹر اسرار صاحب کو ملنے کے لئے ان کے قرآن کالج بھی گیا کہ ان کو اس طرف توجہ دلاؤں۔ یہ غالباً ۹۰-۱۹۸۹ء کی بات ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات تو نہ ہو سکی البتہ ان کے نائب سے مل کر مدعا بیان کیا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ فلاں فلاں گاؤں میں لڑکیوں کے مدارس ہیں وہاں رجوع کریں میں رہ نہ سکا جواباً کہا کہ آپ تیر تا تیر تامل پکڑ کر اس زعم میں ہیں کہ آپ نے خدمت دین کا حق ادا کر دیا ہے یعنی دیہات کے لڑکے جو جدید شہری سہولتوں سے ناآشنا بلکہ کھیتوں اور ویرانوں میں مٹی کے ڈھیلوں سے طہارت کرتے ہیں ان کو تو آپ شہر میں اعلیٰ گریڈ کے مدارس قائم کر کے ماڈرن سہولتیں فراہم کرتے ہیں اور جو صنف نازک ان ماڈرن سہولتوں میں پیدا اور جوان ہوئی ہے اس کو آپ دیہات میں بھجوانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ وہ تو ذہنی مریضہ ہو جائے گی بلکہ اپنے والدین کو کوستی رہے گی کہ نہ جانے اسے کس خطا کی یہ سزا دی جا رہی ہے چنانچہ ان صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ میری بات ڈاکٹر صاحب تک پہنچائیں گے۔ مگر افسوس کہ ہنوز اس طرف کوئی پیش رفت دیکھنے یا سننے میں نہیں آئی۔ میری اب بھی خواہش

ہے کہ ایک ایف اے پاس بچی کو اس طرز کے کالج یا مدرسے میں مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے داخل کراؤں جہاں عصری اور دنیوی تعلیم کا بیک وقت اہتمام ہو مگر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میرے اندازے کے مطابق میں تنہا اس آرزو کا حامل یا پریشانی میں گرفتار نہیں ہوں بلکہ بے شمار ایسے لوگ ہیں جو ایسی تمنا رکھتے ہیں۔

یہاں اس بات کا ذکر نہ کرنا حقائق سے چشم پوشی ہوگی کہ یہ احتجاجی عورتیں مغربی عورت کی ترجمانی کر کے اپنے حسن و زیبائش اور خودنمائی سے شہرت حاصل کرنے کی آرزو کو تسکین دے رہی ہیں ورنہ فلموں' ڈراموں' مصنوعات کی تشہیر' اخبارات اور اشتہارات وغیرہ میں شرمناک پوز کے ذریعے عورت کی جو گت اور تذلیل کی جارہی ہے اس کے خلاف کبھی ان عورتوں نے لب کشائی نہیں کی بلکہ رغبت سے اس کام کو شوبز کا نام دے کر خوشی حاصل کر رہی ہیں۔ اس سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ ایسی باتیں عورت کی من پسند' فطری اور دلی خواہش ہیں۔ اس پر بس نہیں بلکہ وہ ان کاموں کو کلچر اور ثقافت کا نام دے کر بے پردگی' آوارگی اور فحاشی کو فروغ دے رہی ہیں جس سے نئی نسل گمراہی کی طرف جارہی ہے۔ کیونکہ اسلام کی تو اپنی ایک الگ ثقافت ہے جو آفاقی ہے اور دنیا کے دیگر مذاہب اور تہذیبوں سے مختلف بلکہ ان کو ختم کرنے کے لئے آئی ہے۔ اسلامی تہذیب میں انسانوں کی خود ساختہ ثقافت والی بے پردگی' آوارگی' عریانی' فحاشی اور شوبز کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلامی ثقافت تو سنجیدہ' باوقار' فحاشی اور انسانیت کی توہین آمیز روش کو ختم کرنے اور سب انسانوں میں شرافت' خوش اخلاقی' ہمدردی اور مساویانہ حقوق فراہم کرنے والی ہے۔ یہ بات بھی محل نظر ہے کہ یہ عورت کے حقوق اور شوبز کی دلدادہ عورتیں ہمارے ملک و قوم کی تمام عورتوں کی نمائندہ ہیں کیونکہ ان کی تعداد تو چند سینکڑوں سے زیادہ نہیں جبکہ عورت کا آبادی میں تناسب تقریباً سات کروڑ ہے۔ ہماری عورتوں کی اکثریت تو دین پسند اور باپردہ رہنے کی خواہش مند ہے اس طرح ان عورتوں کی نسبت تو کئی ہزار میں ایک کی بنتی ہے لہٰذا ان کو تمام پاکستانی عورتوں کا نمائندہ کہنا بہت بڑی زیادتی ہے۔ ہمیں تو یہ کوشش بھی کرنی چاہئے کہ ان کی اصلاح کی جائے کیونکہ یہ ناچ گانے' نیم عریانی' غیر مردوں سے آزادانہ اور کھلے طور اختلاط' آوارگی' خدا اور رسول کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ یہ تو حقوق نسواں کی آڑ میں اسلامی کلچر و ثقافت کی تذلیل کر رہی ہیں۔ اگر انہوں نے مغربی اور کافرانہ طرز کی ثقافت کو ہی فروغ دینا ہے تو پھر انہیں اپنا اسلامی نام بدل لینا چاہئے اور اسلامی ثقافت کے نام پر ایسی حرکات بالکل نہیں کرنی چاہئیں۔ یہ بھی ایک حقیقت بلکہ تلخ امر ہے کہ ان عورتوں کی بے پردگی ہی مردوں کو ان جرائم کی طرف دعوت دی ہے جس سے چند اوباش' آوارہ ذہن اور خدا کے خوف سے عاری مرد ان عورتوں کی خواہش کے مطابق ان کا پیچھا کرتے ہیں اور پھر جہاں ان کے مذموم مقاصد میں کوئی رکاوٹ نظر آتی ہے تو وہ ہر قسم کے مظالم روا رکھنے سے گریز نہیں کرتے ورنہ ہماری قوم کے مردوں کی اکثریت بھی اخلاقیات کی پابند' دین پسند' خدا اور رسول کے احکام کی پابند رہنے کی متمنی ہے۔ یقیناً ہمارے معاشرے میں تمام قسم کی برائیاں ہمارے مردوں اور عورتوں کو دینی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے ہیں۔

> **"اسلام نے شوہر کو بیوی پر کسی قسم کی ناانصافی اور ظلم سے روکا ہے۔ معاشرتی تحفظ فراہم کرنے کا ذمہ دار ٹھہرانے کے ساتھ ساتھ مرد کو ان باتوں کی خلاف ورزی کرنے پر سزا کی وعید بھی سنائی ہے"**

خیر! عورتوں پر مظالم کا فوری سدباب تو حکومت ہی کر سکتی ہے کہ ایسے معاملوں میں سخت اور عبرتناک سزا دی جائے تاکہ مجرموں کی حوصلہ شکنی ہو اور آئندہ کوئی ایسی جرات نہ کر سکے۔ لیکن اس کا پائیدار اور موزوں حل اسی میں ہے کہ خاص طور پر لڑکیوں کو اور ساتھ ہی ساتھ لڑکوں کو بھی الگ الگ اداروں میں بیک وقت بنیادی مذہبی اور عصری تعلیمات سے آراستہ کیا جائے۔ جس کے لئے سکولز اور مدارس کے مروجہ پرانے طریقہ پر دین اور دنیا کے علوم کے لئے الگ الگ اداروں میں تعلیم دینے کے طریقوں کو ختم کر کے جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے والے طریقے اپنائے جائیں اور ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ بیک وقت عصری اور دینی تعلیم عورتوں اور مردوں کو فراہم کی جائے کیونکہ دین اسلام کا تو یہ دعویٰ ہے کہ وہ دنیا اور دین کی ایک ساتھ رہنمائی کرتا ہے مگر ہم نے ان کے لئے علیحدہ علیحدہ مدارس اور سکولز بنا کر انسانوں بلکہ مسلمانوں میں تقسیم پیدا کر کے ان کی تعلیم ادھوری بنا دی ہے۔ مشاہدہ بتا رہا ہے کہ کوئی بہت بڑا عالم ہے مگر عصری علوم کی ابجد سے ناواقف' اسی طرح کوئی بہت بڑا حاکم' فلاسفر' سائنس دان اور دانشور یا دیگر عصری علوم کا ماہر ہے مگر دین کی ابجد سے نابلد ہے۔ اسی علیحدہ علیحدہ تعلیم کے باعث ہی انسان مذہبی تعلیم سے دور اور گمراہی میں چلا گیا ہے۔ دوسری طرف اسلام دشمن لوگوں نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سکولز اور کالجز میں دنیاوی ترغیبات مہیا کر کے انسانوں کو خدا اور رسول کی تعلیمات سے دور کر دیا ہے۔ ایک جائزے کے مطابق دنیا میں ان گنت یعنی صرف امریکہ میں چالیس ہزار سے زائد اور خود پاکستان میں آٹھ سو سے زائد ایسے ادارے اور مراکز ہیں جن میں اسلام کو دنیا سے ناپید کرنے کے طور طریقوں پر غور و فکر ہو رہا ہے۔ فلسطین' کشمیر' بوسنیا اور چیچنیا وغیرہ میں مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام اور بعض مسلم ممالک پر ناروا اقتصادی پابندیاں اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ لہٰذا علماء اور اسلامی دانشوروں کو اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہئے ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا جواب دیں گے۔ اس مقصد کے لئے کئی تدابیر ہو سکتی ہیں لیکن میری ادنیٰ تدبیر یہ ہے کہ طالبات اور طلبہ کے لئے الگ الگ شریعت سکولز اور کالجز بنائے جائیں جن میں دین و دنیا کی بیک وقت درجہ بدرجہ تعلیم دی جائے۔ پرائمری تک پڑھنے والے کو عصری مضامین کے ساتھ ساتھ موٹے موٹے مذہبی بنیادی اصول' ناظرہ اور باترجمہ قرآن مجید سے آگاہی ہو۔ میٹرک تک تعلیم پانے والے کو قرآن کی تفسیر' احادیث اور فقہ سے بہرہ ور ہونا چاہئے۔ ڈگری تک پہنچنے والے کو اسلامی علم و ادب سے مکمل واقفیت ہونی چاہئے۔ پوسٹ گریجوایشن کے درجے میں جانے والے کو تخصص اور علوم عالم کا اسلام سے تقابلی ملکہ چاہئے۔ اس سے ایک مثالی اسلامی معاشرہ قائم ہوگا جس میں کمزور' بالخصوص عورت پر مظالم کا خاتمہ ہوگا۔ البتہ اگر مروجہ دینی مدارس کی طرح تعلیم' طعام و قیام کا فری انتظام ممکن نہ ہو تو نفع نہ نقصان کی بنیاد پر یا بدرجہ آخر کاروباری طرز پر ملک کے تمام بڑے شہروں میں ایسے شریعت سکولز کا آغاز کر دینا چاہئے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب حیثیت حضرات' فلاحی انجمنوں' دینی یا سیاسی جماعتوں کو اس طرف بھرپور توجہ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

نوٹ : پرائمری' میٹرک اور ڈگری کی مدت بالترتیب چھ' بارہ اور سولہ سال رکھی جائے۔

اللہ کے سوا مسلمان کا کوئی معبود ہے نہ مقصود !

پورے کرۂ ارضی پر دین کا غلبہ ان شاء اللہ ہو کر رہے گا

جانتے بوجھتے جو شخص انجان بنے' اللہ اسے گمراہ کر دیتا ہے

تحریر : محمد قمر فرید' کراچی

مسلمان جو کہ مومن کامل ہوتا ہے اس کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ نفس و شیطان پرست نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ پرست ہوتا ہے۔

جیسا کہ قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان بنی اسرائیل سے ہے کہ "بیشک اللہ تعالیٰ میرا بھی رب ہے اور تمہارے بھی رب ہے سو تم لوگ اسی کی عبادت کرو بس یہ (ہی) سیدھا رستہ ہے سو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے انکار دیکھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی ایسے آدمی ہیں جو میرے مددگار ہو جاویں اللہ تعالیٰ کے واسطے۔ حواری بولے کہ ہم ہیں مددگار اللہ تعالیٰ (کے دین) کے ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ علیہ السلام اس کے گواہ رہئے کہ ہم فرمانبردار ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ان چیزوں (یعنی احکام) پر جو آپ نے نازل فرمائیں اور پیروی اختیار کی ہم نے (ان) رسول کی سو ہم کو ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرتے ہیں۔ (سورۂ آل عمران)۔

کافر اور بے دین لوگ اس قسم کے مسلمانوں کو بنیاد پرست کہتے ہیں حالانکہ مسلمان تو اللہ تعالیٰ پرست ہوتا ہے اور جن باتوں کو وہ ایمان کی بنیاد مانتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے بنیاد مانتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کو ایمان کے لئے ضروری قرار دیا ہے اگر اس کو نہ مانے تو اس کا ایمان بھی نہیں رہتا اور جب ایمان نہ رہا تو اللہ تعالیٰ کو ماننا بھی نہ رہا اسی طرح مسلمان جو اعمال کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے کرتا ہے۔ مختصراً یہ کہ مسلمان کا معبود و مقصود صرف اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔

جبکہ کافروں کا معبود نفس و شیطان ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ جانوروں کو تو سمجھ بوجھ نہیں ہے جس طرح ان کی خواہش ہوتی ہے اسی طرح کی زندگی گزارتے ہیں اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے سمجھ بوجھ عطا کی ہے اور صحیح اور غلط راستہ بھی بتلا دیا ہے اب اگر اس کے باوجود وہ اس پر عمل نہ کرے بلکہ جانوروں کی طرح اپنی خواہش کے مطابق زندگی گزار دے تو وہ جانوروں سے بدتر ہوا کہ نہیں؟ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ "ہم نے انسان کی تخلیق اعلیٰ پیمانے پر کی ہے پھر وہ رفتہ رفتہ جانوروں سے بھی بدتر حالت پر پہنچ جاتا ہے۔" (سورہ التین)

سورہ الشمس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اور قسم ہے (انسان کی) جان کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو درست بنایا پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری (دونوں) باتوں کا اس کو القاء کیا یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (جان) کو پاک کیا اور (وہ) نامراد ہوا جس نے اس کو (فجور میں) مبتلا کیا۔

"سورۃ الاعلیٰ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "بامراد ہوا جو شخص پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا"۔ فائدہ قرآن کی بعض آیات بعض کی تفسیر ہوتی ہیں سورہ الشمس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس جان کو پاک کیا اور سورۂ الاعلیٰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بامراد ہوا جو شخص پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

پہلی آیت میں مراد کو پہنچے کے یہ معنی ہے کہ جو شخص اپنے دل کو برے اخلاق سے پاک کر دے گا اس کا خاتمہ بالخیر ہوں گا یعنی ایمان پر ہو گا مگر اس صورت میں جنت کی بشارت نہیں ہے صرف خاتمہ بالخیر کی بشارت ہے اور سورہ الاعلیٰ میں جنت کی بھی بشارت ہے کیونکہ اس میں خود کو برے اخلاق سے پاک کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنا اور خصوصاً نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور نماز کا ذکر خصوصیت کے ساتھ ہونے کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ حدیث کا مفہوم ہے کہ جس کی نماز صحیح ہو گی اس کے باقی اعمال بھی صحیح ہوں گے یعنی آدمی کی کامیابی کے لئے دو باتیں ضروری ہیں ایک برے اخلاق سے پاک ہونا جس کو حدیث میں طہارت نصف ایمان کہا ہے اور دوسرے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنا۔ یعنی ایمان کامل کے دو حصے ایک برے اخلاق سے پاک ہونا اور دوسرے اچھے اخلاق پیدا کرنا۔ نماز کا ذکر عبادات میں افضل ہونے کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔

ہمارے یہاں چند روپوں کے یا عہدے کے پیچھے لوگ اپنے دین و ایمان یا ضمیر کو بیچ دیتے ہیں یا بے دینوں کے ساتھ پہلے ہی سے ملاپ کر لیتے ہیں۔ جو لوگ اپنے ضمیر کو بیچتے ہیں اس کو مہروں کی تجارت کہتے ہیں اگرچہ ان لوگوں کی حالت بھی ان لوگوں سے اچھی نہیں جو دینداری کی صورت بنائے ہوئے ہیں اور بے دینوں کے ساتھ 'مل جاتے ہیں یا ملے ہوئے ہیں"

"ہمارے یہاں چند روپوں کے یا عہدے کے پیچھے لوگ اپنے دین و ایمان یا ضمیر کو بیچ دیتے ہیں یا بے دینوں کے ساتھ پہلے ہی سے ملاپ کر لیتے ہیں۔ جو لوگ اپنے ضمیر کو بیچتے ہیں اس کو مہروں کی تجارت کہتے ہیں اگرچہ ان لوگوں کی حالت بھی ان لوگوں سے اچھی نہیں جو دینداری کی صورت بنائے ہوئے ہیں اور بے دینوں کے ساتھ 'مل جاتے ہیں یا ملے ہوئے ہیں"

(Horse Trading) کہتے ہیں اگرچہ ان لوگوں کی حالت بھی ان لوگوں سے اچھی نہیں جو دینداری کی صورت بنائے ہوئے ہیں اور بے دینوں کے ساتھ مل جاتے ہیں یا ملے ہوئے ہیں۔

قرآن پاک میں گھوڑوں کا ذکر بہت اچھی صفات کے ساتھ آیا ہے جبکہ یہاں ضمیر فروشی کو

"البتہ کتے کا ذکر قرآن و حدیث میں برے معنوں میں آیا ہے سوائے سورہ کہف کے کتے کے کہ وہ غار میں مومنین کے ساتھ تھا اور ان کی شریعت میں کتا رکھنے کی ممانعت نہیں ہوں گی۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ دنیا کا طالب کتا ہے"

(Horse Trading) گھوڑوں کی خرید کا نام دیتے ہیں۔

سورہ العٰدیٰت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں پھر (پتھر پر) ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں پھر اس وقت (دشمنوں کی) جماعت میں جا گھستے ہیں بیشک (کافر) آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے اور اس کو خود بھی اس کی خبر ہے اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے کیا اس کو معلوم نہیں جب زندہ کئے جاویں گے جتنے مردے قبروں میں ہیں اور آشکارا ہو جاوے گا جو کچھ دلوں میں ہے بیشک انکا پروردگار ان کے حال سے اس روز پورا آگاہ ہے"۔

البتہ کتے کا ذکر قرآن و حدیث میں برے معنوں میں آیا ہے سوائے سورہ کہف کے کتے کے کہ وہ غار میں مومنین کے ساتھ تھا اور ان کی شریعت میں کتا رکھنے کی ممانعت نہیں ہوں گی۔

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ دنیا کا طالب کتا ہے۔

اسی شخص کے متعلق سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرمان ہے کہ "اور ان لوگوں کو (عبرت کے واسطے) اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے کہ ہم نے اس کو اپنی آیتیں (یعنی احکام کا علم دیا) پھر وہ ان آیتوں سے بالکل ہی نکل گیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں داخل ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں (کے مقتضا پر عمل کرنے) کی بدولت بلند مرتبہ دیتے۔ لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے یہی حالت (عام طور پر) ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو آپ ﷺ اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں"۔

اسی لئے جو لوگ دنیا کے پیچھے اپنے دین ایمان یا ضمیر کو بیچتے ہیں وہ ہارس ٹریڈنگ (Horse Trading) نہیں کرتے بلکہ کتوں کی تجارت (Dog Trading) کرتے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ حقیقت میں تو ہدایت کا راستہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے اور اگر تم اتباع کرنے لگیں ان غلط خیالات کا بعد علم آ چکنے کے تو تم کو اللہ تعالیٰ سے بچانے والا نہ یار نکلے نہ مددگار" (سورۂ بقرہ)

سورہ یٰسین میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اے اولاد حضرت آدم علیہ السلام کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کر دی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور یہ کہ میری (ہی) عبادت کرنا (کہ) یہی سیدھا راستہ ہے اور وہ (شیطان) تم میں ایک کثیر مخلوق کو گمراہ کر چکا (ہے) سو کیا تم نہیں سمجھتے تھے۔ یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا (سو) آج اپنے کفر کے بدلے میں اس میں داخل ہو"۔

سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ یہ شیطان ہے کہ

"کافروں کے کارندے نہ بنو کہ جس طرح وہ کہتے اور کہلاتے ہیں اس طرح تم بھی کہتے اور کرتے ہو ورنہ قرآن و حدیث سے آپ خود ہی اپنے مقام کا تعین کر لو کہ تم کس قسم کے انسان ہو"

اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو (اے ایمان والوں) تم اس سے مت ڈرنا اور مجھ (اللہ تعالیٰ) ہی سے ڈرنا اگر تم ایمان والے ہو"۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اور (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ ﷺ سے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جن کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے (اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے) کچھ پڑھا (تب ہی) شیطان نے اس کے پڑھنے میں (کفار کے قلوب میں) شبہ ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے۔

فائدہ: گو وہ آیات فی نفسہا بھی مستحکم تھیں لیکن اعتراضات کے جواب سے اس استحکام کا زیادہ ظہور ہو گیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جس کا مفہوم شیطان کا یہ شبہ ڈالنا ان لوگوں کی آزمائش کے لئے ہے جن کے دلوں میں شک کا مرض ہے اور جن کے دل بالکل سخت ہیں۔

اس آزمائش کی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ شک سے بڑھ کر باطل کا جرم کئے ہوئے ہیں سو ان کی آزمائش ہوتی ہے کہ دیکھیں بعد جواب کے اب بھی شبہات کا اتباع کرتے ہیں یا جواب سمجھ کر حق کو قبول کرتے ہیں۔

سورہ البقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اے لوگو جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے (شرعی) حلال و پاک چیزوں کو کھاؤ (برتو) اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو فی الواقع وہ تمہارا صریح دشمن ہے وہ تو ان باتوں ہی کی تعلیم کرے گا جو کہ بری اور گندی ہیں اور (یہ بھی) کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ کہ جس کی تم سند نہیں رکھتے"۔

قرآن پاک کی ایک آیت کا مفہوم ہے کہ "کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود علم کے ہم نے اس کو گمراہ کر دیا ہے۔

لہٰذا میں سب لوگوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ نفس پرستی و شیطان پرستی اور کتوں کی تجارت (Dog Trading) کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ پرست بن جائیں چاہے وہ کافر ہوں یا مسلمان۔ اور کافروں کے کارندے نہ بنو کہ جس طرح وہ کہتے اور کہلاتے ہیں اس طرح تم بھی کہتے اور کرتے ہو ورنہ قرآن و حدیث سے آپ خود ہی اپنے مقام کا تعین کر لو کہ تم

کس قسم کے انسان ہو۔

آج کفار و بے دین لوگ سیکولرزم کا نام لیتے ہیں اسی طرح کی بات مشرکین نے حضور ﷺ سے کہی چنانچہ ایک بار چند رؤساء نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آیئے ہمارے معبودوں کی آپ ﷺ عبادت کیا کیجئے۔ اور آپ ﷺ کے معبود کی ہم عبادت کیا کریں جس میں ہم اور آپ ﷺ طریق دین میں شریک رہیں جونسا طریقہ ٹھیک ہوگا اس سے سب کو کچھ کچھ مل جائے گا چنانچہ مشرکین کی اس بات پر سورہ کافروں کا نزول ہوا۔ (کذافی الدر المنثور)

سورہ کافرون۔ شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔ آپ ﷺ (ان کافروں سے) کہہ دیجئے کہ اے کافرو! (میرا اور تمہارا طریقہ متحد نہیں ہو سکتا اور) نہ (تو فی الحال) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرو گے تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا۔

اس طرح آج کفار اور بے دین لوگوں نے ورلڈ آرڈر یا سیکولرزم کے لئے تدبیر کی ہوئی ہے کہ اسے پوری دنیا پر مسلط کیا جائے مگر ایک تدبیر اللہ تعالیٰ نے کی ہوئی ہے کہ پوری دنیا میں اسلام کو غالب فرما دے۔ چنانچہ بہت جلد ساری دنیا اس کو ان شاء اللہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گی۔ یہ بات میں نے اپنے پختہ علم کی وجہ سے کہی ہے اس لئے میں نے ان شاء اللہ بھی لکھا ہے تاکہ کوئی یہ بات نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا کس کو معلوم ہو گیا کہ یہ غیب کی بات ہے۔

قرآنی آیت کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر اٹھا مارتا ہے تو باطل کا بھیجا نکال دیتا ہے اور پھر حق پھیلتا ہی جاتا ہے۔OO

بقیہ : تبادلہ خیال

گروہوں اور مسلکوں میں تقسیم ہوں گے۔ جب اعلیٰ مقصد نظروں سے اوجھل ہو جائے تو مقاصد اس کی جگہ لے لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم مختلف گروہوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔

جب لوگوں کو یہ شعور حاصل ہو گا کہ دین کا اصل تقاضا کیا ہے اور اسے پورا کرنے کے لئے سرگرم عمل ہوں گے تو فرقوں کی اہمیت کم ہو گی لہٰذا جب بھی آپ پر اصل حقیقت واضح ہو آپ اپنی زندگی کو نئے سرے سے استوار کرنے کا عزم کریں

مجیب الرحمٰن شامی کے نام

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک خط

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لاہور۔ ۹/ اپریل ۹۶ء

محترمی مدیر ہفت روزہ "زندگی" لاہور

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

صحافتی دنیا سے میرا مستقل تعلق صرف دو قومی روزناموں تک محدود ہے' (اور یہ بھی بیرون ملک اسفار کے دوران تو بالکل ہی منقطع ہو جاتا ہے' اندرون ملک اسفار کے دوران بھی بہت کم رہ جاتا ہے)------ ان کے علاوہ کوئی بات کسی کرم فرما کے توجہ دلانے ہی پر علم میں آتی ہے۔

چنانچہ ایک دوست نے "زندگی" کے ۲۹/ مارچ تا ۴/ اپریل کے شمارے میں جو ذکر خیر میرا ہوا ہے اس کی جانب توجہ دلائی---- تو اس کے مزاح لطیف والے حصے سے تو خود میں بھی محظوظ ہوا---- لیکن اپنی ایک فاش غلطی کی جانب بھی توجہ مبذول ہوئی جس کے لئے علیٰ رؤس الاشہاد معذرت و استغفار ضروری ہے۔ اپنے خطاب جمعہ کے آخری حصے میں عجلت میں میری زبان سے واقعی یہ الفاظ نکل گئے تھے کہ "نواز شریف کو خواہ قوم معاف کر دے اللہ کبھی معاف نہیں کرے گا!" اور اس غلطی کا احساس مجھے فوری طور پر ہو بھی گیا تھا۔ اور میں نے سوچا تھا کہ اگلے جمعہ میں اس کی وضاحت کر دوں گا۔ لیکن بعد میں "وما انسنیہ الا الشیطن ان اذکرہ" (سورہ کہف : ۶۳) کے مصداق نسیان لاحق ہو گیا۔ میں "دو حرف سادہ" کے کالم نگار اور خود آپ کا ممنون ہوں کہ "یاد دہانی" کرا دی۔

اس قسم کے الفاظ ایک بار (غزوۂ احد میں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی نکل گئے تھے جس پر "لیس لک من الامر شیء او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظلمون O" (آل عمران : ۱۲۸) کے الفاظ مبارکہ نازل ہو گئے تھے---- تو "تا بہ دیگراں چہ رسد" کے مصداق ہما شما کس شمار قطار میں ہیں۔

بہرحال اس پر تو میں اللہ کی جناب میں بھی توبہ و استغفار کرتا ہوں---- اور نواز شریف صاحب اور ان کے جملہ احباب سے بھی معذرت خواہ ہوں---- تاہم یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ "اسلامی جمہوری اتحاد" کے ذریعے اسلام کے نام پر ووٹ حاصل کر کے اور پارلیمنٹ میں دو تہائی اکثریت کے حامل ہونے کے باوجود ان کا پاکستان کے دستور میں کتاب و سنت کی بلا استثناء بالادستی کو ثبت کرانے سے قاصر رہ جانا---- اور پھر فیڈرل شریعت کورٹ کے بینک انٹرسٹ کے "ربا" ہونے کے فتوے کے خلاف اپیل دائر کر دینا ایسے "گناہ کبیرہ" ہیں جن کی معافی علی الاعلان اور علیٰ رؤس الاشہاد توبہ و استغفار کے بغیر ممکن نہیں ہے!---- اللہ انہیں اس کی توفیق عطا فرمائے! آمین!

مزید دو ضمنی وضاحتیں : "مینڈکوں کی پنسیری" (پانچ سیری نہ کہ پنیری!) اصلاً مولانا امین احسن اصلاحی سے سنی ہوئی ضرب المثل ہے۔ اور غالباً یوپی کے مشرقی علاقے کی کھڑی بولی سے تعلق رکھتی ہے---- تنظیم اسلامی کا معاملہ دس نہیں بیس برس کا ہے' اور میری مساعی تو تیس برس کو محیط ہیں' میری اور تنظیم کی "ناکامی" کے اور دوسرے بے شمار شواہد ہو سکتے ہیں لیکن الیکشن تو نہ صرف یہ کہ میرا ہدف کبھی رہا ہی نہیں بلکہ میری جماعت اسلامی سے علیحدگی ہی اس سے اختلاف کی بنا پر ہوئی تھی۔

ایک چھوٹی سی وضاحت مزید!--- میں علامہ اقبال کے "عمل" کے پلڑے کو ہلکا اپنے یا کسی اور شخص کے عمل کے پلڑے کے مقابلے میں نہیں' بلکہ خود حضرت علامہ کی فکر کی بلندی کے اعتبار سے کہتا ہوں!

فقط والسلام

نامے میرے نام...

مزاج گرامی! جناب میں ندائے خلافت کا پرانا قاری ہوں اور اس وقت سے پڑھ رہا ہوں جب اس کے مدیر جناب اقتدار احمد صاحب تھے اور یہ "ندا" بن کر نمودار ہوا تھا۔ جناب اقتدار احمد مرحوم کے بعد آپ نے بہت اچھے طریقے سے ذمہ داری سنبھالی ہوئی ہے۔ پرچہ بہت معیاری ہے۔ تمام مضامین بہت اچھے ہوتے ہیں اور امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا حالات پر تجزیہ بہت حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔

لیکن گزشتہ کئی شماروں سے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ یہ پرچہ ایم کیو ایم کا نقیب بنتا جا رہا ہے خاص کر جناب نجیب صدیقی صاحب "مکتوب کراچی" میں ایم کیو ایم کے لئے نوحہ کناں رہتے ہیں حالانکہ انہیں چاہئے تھا کہ لوگوں کو حقیقت سے آگاہ کرتے۔ ان کے برعکس ایک شمارے میں جناب وصی مظہر ندوی صاحب کا مضمون ۱۰۰ فیصد حقیقت کی عکاسی کرتا ہے۔ جناب نجیب صدیقی صاحب کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ایم کیو ایم اپنا بویا آج کاٹ رہی ہے۔ اب اگر ان پر ظلم ہو رہا ہے تو اس کی بنیاد خود انہوں نے ڈالی ہے۔ ایم کیو ایم نے کراچی میں ہر ایک سے نفرت اور لڑائی کی۔ یہ مان بھی لیا جائے کہ پنجابی زیادتی کر رہے ہیں تو پھر وہ پٹھانوں' سندھیوں اور بلوچوں سے کیوں لڑ رہے ہیں۔ مہاجروں کے دلوں میں دوسری قوموں اور فوج کے خلاف اتنی نفرت ڈال دی گئی ہے کہ اچھے اچھے مذہبی لوگ بھی پیچھے نہیں رہے۔ میں نے خود کئی لوگوں سے گفتگو سنی ہے۔ حالات خراب کرنے میں ایم کیو ایم کا ہاتھ سب سے زیادہ ہے اور انہیں علاقوں میں حالات خراب ہیں جہاں ان کی تعداد زیادہ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج پولیس ظلم کر رہی ہے لیکن ایم کیو ایم کے دور میں پولیس تھانے ایم کیو ایم کے ہاتھ میں کھلونا بنے اور تھانے میں آ کر نوجوان لڑکے اے ایس آئی کی بے عزتی کر جاتے تھے لیکن کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ نجیب صدیقی صاحب مہاجروں کا رونا روتے ہیں لیکن کبھی انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ یہ کیوں ہو رہا ہے اس کا سبب کیا ہے۔ وہ مائیں جن کے بیٹے آج دہشت گردی میں مارے جا رہے ہیں انہوں نے اس وقت اپنے بیٹوں کو کیوں نہیں روکا جب وہ دوسروں کو کراچی سے نکالنے کے لئے مارتے تھے اور مائیں خوش ہوتی تھیں کہ کراچی ہمارا ہو جائے گا۔ اس وقت ان کو سوچنا چاہئے تھا کہ برے کام کا انجام برا ہوتا ہے۔ آج اگر کوئی دہشت گرد مارا جاتا ہے تو ایم کیو ایم شور مچاتی ہے کہ ہمارے بے قصور کارکن کو شہید کر دیا گیا۔ کیا فاروق دادا اور پی پی آئی کے ذاکر خان اور فخرو (فخر الدین) دہشت گرد نہیں ہیں۔ ان کے بارے میں آپ مہاجر کیمپ کے رہنے والوں سے پوچھیں تو وہ آپ کو بتائیں گے۔

آج الطاف حسین صاحب پاکستان کے لوگوں کو مدد کے لئے پکارتے ہیں لیکن کوئی ساتھ نہیں دیتا یا آواز بلند نہیں کرتا۔ کیا سب لوگوں کو ان کے قتل ہونے پر خوشی ہوتی ہے' کیا ان کا دل تکلیف محسوس نہیں کرتا' آخر کوئی کیوں نہیں بولتا۔ وجہ یہ ہے کہ ایم کیو ایم نے خود ہی دوسری ساری قومیتوں سے نفرت اور لڑائی کر کے اپنے آپ کو تنہا کر دیا ہے۔ ذرا سوچئے تو سہی جن ماؤں کے لال' بہنوں کے بھائی' سہاگنوں کے سہاگ اور بیٹیوں کے باپ روزی کمانے کراچی آئیں اور پھر یہاں سے ان کی لاشیں پنجاب' سرحد' اندرون سندھ' کشمیر اور ہزارہ جائیں تو وہاں کے لوگ ایم کیو ایم (مہاجروں) سے محبت کریں گے یا نفرت؟۔ نفرتوں کی یہ دیوار ایم کیو ایم کو گرانا ہو گی۔ کراچی منی پاکستان ہے اس میں تمام قومیتوں کو مل کر بھائی بھائی بن کر رہنا ہو گا۔ الطاف صاحب چاہیں تو آج ہی امن ہو سکتا ہے۔

اپنی زبان' اپنی ثقافت سے محبت کرنا کوئی تعصب نہیں ہے ہاں اگر اپنوں سے محبت اور دوسری سے نفرت ہو جائے تو یہ بدترین تعصب ہے۔ پاکستان میں لسانی بنیاد پر کئی جماعتیں کام کر رہی ہیں یعنی جئے سندھ' پختون خواہ تحریک' سرائیکی صوبہ تحریک لیکن نفرت کی انتہا کو کوئی نہیں پہنچی سوائے ایم کیو ایم کے۔ ایم کیو ایم کراچی سے دوسری ساری قوموں کو نکالنا چاہتی ہے (لیکن اس بات کو وہ ہمیشہ کی طرح ماننے کو تیار نہیں) کیا آپ بتائیں گے آج تک کسی اور صوبے کے لوگوں نے کہا ہو کہ ہم مہاجروں یا فلاں قوم کو اپنے صوبے سے نکال دیں گے۔ ہاں صرف صوبہ سندھ میں ایسا ہوا اور وہ بھی ردعمل کے طور پر ہوا ہے۔ اب مگرمچھ کے آنسو بہانے سے کچھ نہیں ہو گا۔ کراچی میں امن کے لئے الطاف صاحب کو اپنا رویہ بدلنا ہو گا۔ حقیقی سے اتحاد اور کراچی میں رہنے والی دوسری قومیتوں سے بھائی چارا پیدا کرنا ہو گا۔ مظلوم عوام کو صرف اپنی ہوس اقتدار کی خاطر قتل ہونے سے بچانا ہو گا۔ اگر آج الطاف صاحب کراچی میں رہنے والے سب لوگوں کو ساتھ ملا کر ایک عوامی تحریک چلائیں جس میں صرف "کراچی والے" لفظ کا استعمال ہو تو پھر آپ دیکھیں گے کہ مظلوم پنجابی' پٹھان' سندھی اور بلوچ' سرائیکی الطاف حسین کا ساتھ دیں گے۔ مظلوم کے آگے ظالم سے ظالم حکومت بھی نہیں ٹھہر سکتی۔ ہزاروں جانیں صرف دنیاوی مفادات اور وہ بھی تعصب کی بنا پر دی گئیں اگر یہی قربانی اقامت دین کے لئے دیتے تو آج کراچی کیا وہ پورے ملک کے قائد ہوتے اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا نظام نافذ ہوتا۔ اگر حقوق کی بات کرتے ہیں تو پورے پاکستان کے لوگوں کو دیکھیں کیا ان کو ان کا حق مل رہا ہے؟ الطاف حسین صاحب کو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے سیاسی مشوروں پر عمل کرنا چاہئے۔ چھوٹے صوبے بن گئے تو تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ آج مذہبی جماعتیں کیوں خاموش ہیں اس لئے کہ قصور ایم کیو ایم کا ہے چاہے وہ مظلومیت کا کتنا ڈھنڈورا پیٹیں کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ دل خون کے آنسو روتا ہے کہ بھائی بھائی خون کا بہا رہا ہے صرف دنیوی اقتدار اور حقوق کے لئے' ہمارے سارے سیاستدان عوام کو روٹی کپڑا اور مکان اور حقوق کے نام پر ذبح کرا رہے ہیں اور عوام اندھے بہرے ہو کر ان کی تقلید کر رہے ہیں۔

امیر تنظیم اسلامی سے گزارش ہے کہ وہ اپنے پرچے میں ایسی کسی تحریر کو جگہ نہ دیں جس میں حقیقت سے اعراض کیا گیا ہو۔ مجھے پورا یقین ہے کہ جناب نجیب صدیقی کی تحریروں سے مدیر ندائے خلافت' امیر تنظیم اسلامی اور باقی تنظیم کے عہدیداروں کو اختلاف ہو گا تو پھر وہ حقیقت نہ لکھنے پر کیوں اعتراض نہیں کرتے۔ برائے مہربانی "مکتوب کراچی" پر ضرور نظر ثانی کر لیا کریں کیونکہ لوگوں میں پرچہ کے بارے میں غلط تاثر لیا جاتا ہے۔

اب اجازت چاہتا ہوں۔ نام نہ لکھنے میں بھلائی محسوس کرتا ہوں اس لئے آپ بھی گمنام ہی لکھ دیں۔ فقط

ایک گمنام قاری' کراچی

---

۲۶ مارچ کا ندائے خلافت موصول ہوا اور پڑھنے کے بعد حسب معمول دل کو تسلی ہوئی کہ ابھی صحافت سے مقصدیت کا عنصر غائب نہیں ہوا۔ آج کل کے دور میں جب دوسرے لوگوں کی طرح صحافی حضرات بھی محض دولت اور شہرت کے لئے کام کر رہے ہیں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان چیزوں سے قطع نظر صرف کلمہ حق کو بلند کرتے ہیں۔ بے شک یہ بڑا عظیم کام ہے اور اس کا اجر اللہ تبارک و تعالیٰ ہی بہتر طریقے سے عطا فرما سکتے ہیں۔

محمد حیات اعوان' گورنمنٹ کالج سلانوالی

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

مذہبی جماعتوں کے اتحاد کے ضمن میں امیر تنظیم اسلامی کی تجویز

مولانا وصی مظہر ندوی اور ماہنامہ "دینی صحافت"

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے گزشتہ سال مذہبی جماعتوں کے اتحاد کے موضوع پر' بالخصوص جماعت اسلامی' تنظیم اسلامی اور تحریک اسلامی کے وفاق کی تجویز پر مشتمل جو تقریر کی تھی اور جسے ماہ اکتوبر ۹۵ء کے میثاق میں شائع کر دیا گیا تھا' اسلام آباد سے شائع ہونے والے ماہنامہ "دینی صحافت" نے بھی اسے اس درجے اہم سمجھا کہ اپنی جنوری اور فروری ۹۶ء کی اشاعت میں اسے دو قسطوں میں شائع کر دیا۔ ذیل میں امیر تنظیم کی اس تجویز کے حوالے سے مولانا وصی مظہر ندوی صاحب کا خط بنام ایڈیٹر "دینی صحافت" اور پھر اس کے جواب میں فاضل ایڈیٹر کا تبصرہ جو اپریل ۹۶ء کے "دینی صحافت" میں شائع ہوا' ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

مولانا ندوی کا مکتوب

ماہنامہ دینی صحافت "انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز" کا ایک اور عظیم کام ہے۔ پاکستان کی دینی صحافت کا یہ ڈائجسٹ' جس کے اندر مغرب کے نقطہ نظر کو بھی سمو دیا گیا ہے' ایک طرف ان حضرات کے لئے بہترین تحفہ ہے' جو نہ سب دینی رسائل اور مغربی جرائد حاصل کر سکتے ہیں اور نہ سب کچھ پڑھنے کا وقت نکال سکتے ہیں۔ دوسری طرف یہ رسالہ مختلف مسلمان فرقوں کو قریب لانے کی خدمت بھی غیر محسوس طور پر انجام دے گا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے اپنے اپنے خول میں محبوس رہنے والے دوسروں کے نقطہ نظر سے بھی رفتہ رفتہ آگاہ ہوں گے اور یہ آگاہی منافرت کو انشاء اللہ کم کرے گی۔

مذہبی جماعتوں کے اتحاد کے سلسلے میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا مقالہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ راقم ایک اور صاحب علم شخصیت کے ساتھ اسی مقصد کے لئے جناب طفیل محمد صاحب سے بھی ملا تھا' جب وہ جماعت اسلامی پاکستان کے امیر تھے۔ غالباً جون ۱۹۹۵ء میں جناب ڈاکٹر صاحب سے بھی اس مسئلہ پر بات ہوئی تھی۔ اس کے بعد جناب قاضی حسین احمد کو بھی امیر جماعت اسلامی کراچی کے ذریعہ پیغام ارسال کیا تھا۔ قاضی صاحب نے اجمالی مگر مثبت جواب دیا۔ میرے خیال میں یہ اتحاد اس وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

تاہم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے میری گزارش یہ ہے کہ اس اتحاد کے لئے Loud Thinking نقصان دہ ہے۔ اس سلسلے میں رازدارانہ مکالے سے بہتر نتائج نکل سکتے ہیں۔ اور اگر اس مکالے میں کوئی قابل اعتماد محترم شخصیت بھی شامل ہو جائے' تو کامیابی کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں۔ میرے خیال میں اس وقت پروفیسر خورشید احمد صاحب اپنے علمی مقام اور جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی کے ساتھ قدیم وابستگی کے لحاظ سے اس مہم کو بہتر طور پر سرانجام دے سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جس کام کے لئے "وفاق" قائم کرنے کی تجویز دی ہے' وہ کام تو متفق علیہ ہے اور ہر تنظیم اپنے اپنے انداز میں اس کے لئے کام کرنے میں سرگرم عمل بھی ہے' تو کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ وفاق قائم کرنے کی کوشش سے قبل متفق علیہ کام کے لئے ایسا پروگرام ترتیب دیا جائے' جس پروگرام میں اشتراک اور تعاون ہو سکتا ہو۔ ان شاء اللہ یہی اشتراک و تعاون وفاق بلکہ ادغام کی راہ ہموار کرے گا۔

ایڈیٹر "دینی صحافت" کی جوابی وضاحت

(☆☆) آپ کا خط بعینہ شائع کیا جا رہا ہے "رازدار مکالے" سے آپ کی مراد اگر "ٹریک ٹو" یا "ٹریک تھری" ٹائپ کی ڈپلومیسی یا کوئی سرگرمی ہے' تو شاید آپ کی بات درست ہے۔ ورنہ مجھے تو اس وقت سب سے زیادہ ضرورت "لاؤڈ تھنکنگ" کی ہی محسوس ہوتی ہے۔ جماعت اسلامی' تنظیم اسلامی اور تحریک اسلامی میں جہاں قدر مشترک "فکر مودودی" ہے' ان کے ممبران کا ۱۰۰ فیصد تعلیم یافتہ ہونا بھی ایک مشترک خاصیت ہے۔ تاہم ان میں ذہنی سطح پر جتنی بیداری' فکری ہلچل اور تحریکی سرگرمی دکھائی دینی چاہئے تھی' اس کا فقدان جمود کی حد تک دکھائی دیتا ہے۔ چاہے یہ باہمی اتحاد کی بات ہو یا ملکی سطح پر کسی جاندار کردار اور باشعور مظاہرے کا تقاضا ہو اور اس سلسلے میں حقیقت پسندانہ پالیسی کی تشکیل کا سوال ہو' جب تک مختلف امور پر کھلا اور اوپن مباحثہ ڈائی لاگ نہیں ہو گا' نہ کوئی اتحاد ہو گا' نہ ملکی سطح پر کوئی بھرپور کردار ادا ہو سکے گا۔ اس لئے کہ دینی قوتوں کے نظم سے باہر ہزاروں اور لاکھوں افراد ایسے ہیں' جو ان سے ہمدردی اور دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کے لئے کوئی سرگرم رول ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے بیزار اور لاتعلق دکھائی دیتے ہیں کہ بحث و آراء کے پراسس اور فیصلہ سازی کے عمل میں وہ خود کو شریک محسوس نہیں کرتے اور یہ لاؤڈ تھنکنگ کے بغیر ممکن نہیں۔ اور لاؤڈ تھنکنگ نظم اور تربیت کے موجودہ سیٹ اپ میں اگر ممکن ہے' تو وہ اس میں ریڈیکل تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں۔

(بشکریہ : ماہنامہ "دینی صحافت" اپریل ۹۶ء)

☆

"کامیابی" کا راز

کیمبرج یونیورسٹی کی شائع کردہ ایک نئی کتاب میں بتایا گیا ہے کہ ۱۸۴۸ء میں یہاں سکھوں اور انگریزوں کی لڑائی میں ۶۲ جاگیرداروں نے سکھوں کا' اور ۶۱ نے انگریز کا ساتھ دیا۔ سکھوں کا ساتھ دینے والوں میں ۸ خاندان وہ تھے' جو اس سے قبل اپنی خدمات کے عوض انگریز سے "خطاب" حاصل کر چکے تھے۔ ایک بھائی سکھوں کی طرف تھا تو دوسرا انگریزوں کی طرف۔ باپ ایک فریق کا ساتھی تھا تو بیٹا دوسرے فریق کا۔ ایک اور فیکٹر جو جاگیرداروں کی سیاسی حکمت عملی میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے' وہ یہ کہ ان کا دشمن کس طرف ہے۔ پنجاب کے جاگیرداروں اور وڈیروں کی سیاسی حکمت عملی' آج بھی انہی دو "اصولوں" پر تشکیل پاتی ہے۔ بتایا گیا کہ راجہ رنجیب سنگھ کی رانیوں میں لاہور کے ایک معزز مسلمان خاندان کی بیٹی بھی شامل تھی۔ رنجیت سنگھ نے پشاور میں' تحریک مجاہدین کے قائد سے مذاکرات کے لئے جو دو افراد بھیجے' ان میں ایک' اسی مسلمان خاندان کا چشم و چراغ تھا۔

(بشکریہ : "ندائے ملت")